الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارک پور

مئی

2023

قربانی

قربانی دراصل تقرب خداوندی، روح ایمان کی تازگی اور تواضع و انکساری کا ایک مرغوب و محبوب عمل ہے، جسے کر لینے کے بعد انسان کے اندر گوناگوں ظاہری و باطنی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، جس کی بنیاد پر وہ اپنے رب کے قرب خاص میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تمام جلی و خفی معاصی و جرائم سے احتراز و اجتناب کرتے ہوئے اپنے رب کا مقرب و محبوب بن جاتا ہے

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبدالحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 47 شمارہ 5 | مئی 2023ء | شوال - ذی قعدہ 1444ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت موجودہ شمارہ 60 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

25$ امریکی ڈالر 20£ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپواکر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

اداریہ	رئیس التحریر اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور	مبارک حسین مصباحی	5

مطالعۂ قرآن

تفہیمِ قرآن	امہات المومنین کے فضائل	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری	13

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں علماے دین؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	17

نظریات

فکر امروز	قرآن مجید کا قدیم ترین نسخہ	العربیہ اردو	19

اسلامیات

شعاعیں	اسلام کا نظریۂ توحید عقل و سائنس کی روشنی میں	مبارک حسین مصباحی	21
	اسلام میں قربانی کا تصور	محسن رضا ضیائی	27

شخصیات

تجزیہ	تحریکی ناکامیوں پر علامہ ارشد القادری کا تجزیاتی نقطۂ نظر	مولانا بلال احمد نظامی	29

اساطین تصوف

ذکر جمیل	سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالی عنہا	مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری	31

بزمِ خواتین

نقطۂ نظر	تعلیم کے ساتھ ہنرمندی/موبائل فون کے مضر اثرات	رفیقہ پلوکر/سمیہ عامر خان	33

بزمِ دانش

فکر و نظر	عید الاضحیٰ اور ہماری ذمہ داریاں	مفتی محمد ساجد مصباحی/مولانا بلال احمد نظامی	35

ادبیات

گوشۂ ادب	اظہارِ خیال-نقوشِ فکر	مبارک حسین مصباحی	39
خیابان حرم	نعتیں	مہتاب پیامی	45

وفیات

سفر آخرت	رئیس التحریر علامہ لیس اختر مصباحی کا وصال پر ملال-تاثرات و تعزیات	علماے اہل سنت	46

مکتوبات

صداے باز گشت	وصی واجدی مکرانی/پروفیسر عبد الحمید فاضلی		56

سرگرمیاں

خیر و خبر	حدائق بخشش کا ترکی میں ترجمہ/البانیہ پورے عیسائی گھرانے کا قبول اسلام/دنیا کی پہلی اسمارٹ جاے نماز/ جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور میں جشن دستار فضیلت و عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ		57

رئیس التحریر اور جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

دین وسنیت کے فروغ کے چند یادگار گوشے

مبارک حسین مصباحی

8 مئی 2023ء کی وہ ایک غم انگیز شام تھی، موضع خالص پور متّصل قصبہ ادری میں حسرت ویاس کے سائے بڑھ رہے تھے، ہر طرف غم و اندوہ کے بادل چھائے ہوئے تھے 7 مئی رات 9 بج کر 50 منٹ پر رئیس التحریر حضرت علامہ لیس اختر مصباحی نے ایمس ہاسپٹل دہلی میں آخری سانس لی، فیس بک سے وصال کی الم ناک خبر پڑھ کر کلمات استرجاع پڑھے اور اضطرابی کیفیت میں حضرت کی روح کو ایصال ثواب کیا۔ آپ کی الم ناک رحلت اہل سنت کے لیے افسوس ناک حادثہ ہے اور خاص طور پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان بھی۔ خالص پور آپ کا جنازہ لایا گیا، علما اور طلبا کا جم غفیر تھا، مقامی اور بیرونی عقیدت مندوں کا بھی ہجوم تھا، مئو، ادری روڈ پر آپ کی وسیع زمین ہے، وہیں آپ کا مدفن بنایا گیا، جنازے کی نماز کے فرائض عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے انجام دیے اور بصد حسرت وغم آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ یہی حال دنیا کے ہر مسلمان کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے ارباب کمال اور دین و دانش کے تاجدار جب اپنی سانسیں پوری کر لیتے ہیں تو انہیں اپنے ہاتھوں سے مٹی کے نیچے دفن کر دیا جاتا ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتی، بڑے بڑے سلاطین ہوں یا اربابِ حکومت جن کے اشاروں پر ہزاروں اور لاکھوں افراد گردش کرتے ہیں۔ فرشتۂ اجل سے وہ افراد بھی اپنے حاکم اور شہنشاہ کو بچا نہیں سکتے۔ اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى." تین حصوں میں پڑھ کر تین بار یکے بعد دیگرے مٹی ڈال دینی چاہیے، یہی اسلامی طریقہ آپ کے ساتھ بھی بہ حزن وغم انجام دیا گیا۔ علم وحکمت کے اس سرخیل اور دین ودانش کے اس میر کارواں کو ہزاروں افراد نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے مٹی کے نیچے دفن کر دیا۔ آہ! صد آہ!

دنیا میں صدا کوئی رہا ہے کہ رہے گا　　　جز ذاتِ خداوند کہ ہے دائم و باقی

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دل کی گہرائیوں سے دعا کرتے ہیں مولا تو ان کی قبر و حشر کی منزلیں آسان فرما اور اپنے خصوصی فضل وکرم سے جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرما، آمین۔

مختصر احوال:

آپ کی ولادت باسعادت موضع خالص پر متّصل ادری ضلع مئو یوپی 12 فروری 1953ء میں ہوئی، مدرسہ بیت العلوم خالص پور میں ناظرہ قرآن اور اردو کتابیں پڑھیں، مدرسہ ضیاء العلوم قصبہ ادری ضلع مئو میں درس نظامی کا آغاز کیا، اس کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد ضلع مئو میں مزید کتابیں پڑھیں آخر میں دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں اعلیٰ کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ 1390ھ/1970ء میں درس نظامی کی تکمیل کی، سند فضیلت اور دستار بندی سے سرفراز کیے گئے۔ آپ کے اساتذہ میں معروف شخصیات حسب ذیل ہیں:

(1)- جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

(2)- مرتب فتاوائے رضویہ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

(3)- قاضی شرع حضرت مولانا محمد شفیع مبارک پوری سابق استاذ وناظم جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

(4)- بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

1971ء میں دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد آپ عربی ادب میں مہارت حاصل کرنے کے

لیے لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں ''الاختصاص فی الادب العربی'' دو سالہ کورس کی تکمیل 1973ء میں کی۔ جنوری 1974ء سے اپریل 1982ء تک آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور بحیثیت صدر شعبۂ عربی ادب قیام پزیر رہے۔ عربی ادب اور دیگر علوم وفنون میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ فرمایا، کثیر تعداد میں آپ کے تلامذہ ملک اور بیرون ملک اہم دینی، علمی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ 1396ھ/1976ء میں آپ نے اپنے تین احباب صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی، مبلغ اہل سنت حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری دام ظلہ العالی اور حضرت مولانا افتخار احمد قادری کی رفاقت میں تصنیفی اور اشاعتی ادارہ المجمع الاسلامی کا سنگ بنیاد رکھا، بفضلہ تعالیٰ اس ادارے سے دین وسنیت اور فکر وتحقیق پر تاریخی کارنامے انجام پزیر ہوئے، آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں عربی ادب کے نام ور استاذ تھے ''المدیح النبوی'' عربی نعتوں کا مجموعہ مرتب فرمایا، اسی طرح جامعہ کے دوسرے استاذ حضرت مولانا افتخار احمد قادری نے ''الادب الجمیل'' کے نام سے اکابر کی عربی تحریروں کا مجموعہ مرتب فرمایا، بفضلہ تعالیٰ نظم اور نثر کے یہ دونوں مجموعے جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور دیگر مدارس میں داخل درس ہیں۔

ریاض سعودی عرب 1982ء سے 1984ء تک کمپیوٹر سروس اور اس کے متعلقات سے وابستہ رہے اور اس کے بعد سے زندگی کی آخری سانس تک دہلی میں رہ کر دین وسنیت کی خدمات انجام دیتے رہے۔

اوصاف وخصائل:

اپنے اساتذۂ کرام کا ادب واحترام کرتے۔ آپ درس گاہ میں محنت سے کتابیں پڑھتے اس سے زیادہ اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے اکتسابِ فیض کرتے۔ آپ خارجی مطالعے کے بھی شوقین تھے، آپ نے اس سے بہت کچھ حاصل کیا، آپ کی فکر صرف درسی کتابوں تک محدود نہیں تھی، بلکہ آپ ملکی اور عالمی حالات پر نگاہ رکھتے تھے، اپنے ملک کے سیاسی احوال اور ہندو توقیادتوں پر تجزیانہ ذمہ داریوں کو بڑی حد تک نبھاتے، اہل سنت کے نرم وگرم مدوجزر کو بہ خوبی پہچانتے تھے۔ مسلم قیادت وسیاست کا حیرت انگیز مطالعہ رکھتے تھے۔ ماضی اور حال کی روشنی میں امت مسلمہ کے لیے عملی شاہراہیں طے کرتے تھے۔ آپ بڑے مفکر اور مذہبی صحافی تھے۔ تاریخ سنیت اور علمائے اہل سنت پر بصیرت افروز تجزیے کرتے، نوجوان علما اور بعض جدید فکر کے حامل افراد آپ سے مشورے طلب کرتے، آپ اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں عملی راہیں طے فرماتے اور مشوروں کے خواہش مند حضرات اپنی وسعت کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ مشورے دینے میں آپ سامعین کی باتیں بھی سنتے، بحث ومشاورت کے بعد اہل مجلس کو مطمئن فرماتے، ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کی فکر ہمیشہ صد فیصد درست ہوتی تھی مگر عام طور پر نتائج درست ہوتے، یہ بھی ایک سچائی ہے کہ دنیا بھر میں منصوبے بہت بنتے ہیں، مشورے بھی پیش کیے جاتے ہیں، مگر زمینی طور پر ان کو عملی جامہ کس قدر پہنایا جاتا ہے یہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں۔ بلاشبہ آپ ایک قلم کار، دور رس منصوبہ ساز، مفکر اہل سنت، اردو اور عربی زبانوں پر نگاہ رکھنے والے قلم کار تھے۔ سج دھج، تملق بازی اور ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور، سے بڑی حد تک محفوظ تھے۔ رہن سہن، کھانے پینے اور ملنے ملانے میں بے تکلف تھے۔ اگر موجود ہیں تو آپ کی بارگاہ میں کوئی بھی آسکتا تھا مگر گفتگو میں ہمیشہ آپ بھاری رہتے تھے اور دو منٹ میں سمجھ لیتے تھے کہ آنے والا کس مزاج وفکر کا فرد ہے۔ ہم مزاج نہ ہونے کی صورت میں آپ گفتگو کا رخ تبدیل فرمادیتے تھے۔ آپ خانقاہوں سے محبت رکھتے تھے مگر عقیدت میں غلو سے ہمیشہ پرہیز فرماتے، جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے انھیں عقیدت ومحبت تھی، اپنے استاذ گرامی حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ سے بے لوث محبت فرماتے تھے۔ آپ نے حضور حافظ ملت کی شخصیت پر وقیع تحریریں لکھی ہیں اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو ایک علمی، ادبی اور فقہی تحریک سمجھتے تھے۔ آپ نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا مختلف جہتوں سے تعارف بھی کرایا ہے اور عربی اور اردو میں مستقل تعارف بھی رقم فرمائے ہیں۔

دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا رجسٹرڈ نام ہے۔ بقول ڈاکٹر شرر مصباحی مبارک پوری: عہدِ طالب علمی میں طلبہ کے درمیان غور ہوا کہ فارغین اشرفیہ اپنے ناموں کے ساتھ کیا نسبت لگائیں، لفظ ''اشرفی'' خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے خلفا اور مریدین لگاتے ہیں، دار العلوم اشرفیہ کے نام کا ایک جز ''مصباح العلوم'' بھی ہے، اس مناسبت سے باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ فرزندان اشرفیہ اپنے ناموں کے ساتھ لفظ ''مصباحی'' لگائیں۔ اپنے عہد طالب علمی میں سب سے پیشتر شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرف اشرفی کچھوچھوی نے ''مصباحی'' نسبت اپنے نام کے ساتھ استعمال فرمائی، بعد میں اپنے ناموں کے ساتھ دیگر بعض فرزندان اشرفیہ بھی لگانے لگے، ہاں پابندی سے

لفظ "مصباحی"، صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی نے استعمال فرمایا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور قرب وجوار میں "مصباحی صاحب" سے آپ ہی کی ذات مراد ہوتی ہے اور دہلی اور دیگر علاقوں میں "مصباحی صاحب" سے رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی ذات مراد ہوتی ہے۔ جب مٹیا محل دہلی سے ماہ نامہ "حجاز جدید" نکالنا شروع فرمایا تو آپ نے اپنے طے شدہ فرزندانِ اشرفیہ کو اپنی ادارتی اور مشاورتی مجالس میں شامل فرمایا تو ان کے ناموں کے ساتھ لفظ "مصباحی" پابندی سے شائع فرماتے رہے۔ اور اب تو ماشاء اللہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ میں جماعت ثامنہ کے ہر طالب علم کو "مصباحی صاحب" کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کی تحریک کی برکت ہے کہ آج ملک اور بیرون ملک ہزاروں فرزندانِ اشرفیہ اپنے ناموں کے ساتھ **مصباحی** کی نسبت لگانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

حافظ ملت سے عشق وعقیدت:

1398ھ/1978ء کی بات ہے، جہان سنیت کا معروف ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے 576 صفحات پر مشتمل وقیع "حافظ ملت نمبر" شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا، اس نمبر کی ترتیب واشاعت اور نظر ثانی میں حضرت رئیس التحریر نے بھی اپنی کاوشیں شامل کی تھیں، اب اس نمبر کی دوسری اشاعت 2022 میں ہو چکی ہے۔ اس نمبر کے لیے رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی گراں قدر تحریر عطا فرمائی تھی۔ عنوان ہے "**حافظ ملت ایک انقلاب آفریں شخصیت**"۔ ہر اچھی تحریر کے کچھ عناصر ہوتے ہیں اور قلم کار اگر وسیع النظر اور تجربات ومشاہدات رکھتا ہے تو اس میں حیرت انگیز نکات آفرینی اور دل ودماغ کو متاثر کرنے والا اسلوب بھی ہوتا ہے۔ اس تحریر کو بھی حضرت رئیس التحریر نے جی لگا کر لکھا ہے، اب ہم ذیل میں اس مرقعِ جمیل کے چند دلکش عناصر اپنے انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

اپنی تحریر کی ابتدا حضرت نے اس بنیاد پر اٹھائی ہے کہ عام طور پر ہر بڑی شخصیت کے کچھ اسباب ہوتے ہیں مگر حضور حافظ ملت کے پاس نہ بہ ظاہر خاندانی وجاہتیں تھیں اور دولت واقتدار کا کوئی سہارا تھا، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ آپ کے پاس خاندانی علمی اور روحانی قدریں تھیں، نالۂ نیم شبی کی جاں گسل اثر آفرینیاں اور خاندانی دعاؤں کی رازداریاں تھیں، مالی تنگی کی وجہ سے اپنے والد گرامی استاذ الحفاظ حافظ غلام نور محمد علیہ الرحمہ سے حفظ مکمل کرنے کے بعد تحفیظ قرآن اور امامت وخطابت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، ظاہری اسباب کے فقدان کی وجہ سے ایک باعمل حافظ قرآن دل مسوس کر رہ جاتا ہے مگر دعاؤں کی اثر آفرینی رنگ لاتی ہے، آپ نے پہلے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد صدر الشریعہ حضرت مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ کی بارگاہ میں اجمیر معلیٰ میں 9 برس علمی فیضان حاصل کیا، خواجۂ خواجگاں سلطان الہند کی عظیم خانقاہ کے روحانی فیضان سے بھی بھرپور استفادہ فرمایا۔

علمی اور روحانی فیوض وبرکات سے سرشار ہو کر آپ مبارک پور بحیثیت صدر مدرس تشریف لائے، تعمیر ودفاع کے مراحل سے گزرتے ہوئے آپ نے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کو ایک برس کی قلیل مدت میں دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم بنا دیا، جس کا تاریخی نام "**باغ فردوس**" ہے، آپ نے محنت ولگن سے تعمیری اور تدریسی خدمات انجام دیں، دنیا کے دینی، علمی، تصنیفی اور تبلیغی گوشوں میں آپ کے تلامذہ دین وسنیت کے فروغ کے لیے تاریخی کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ حضرت رئیس التحریر نے بروقت یہ شعر نقل فرمایا ہے۔

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہو گا

اس کے بعد حضرت رئیس التحریر نے آپ کی سادگی اور خودداری اور خود اعتمادی کا بڑے جذباتی انداز سے بیان کیا ہے۔ آپ کے یہاں ہر مخالفت کا جواب کام تھا، بقول آپ کے: مخالفتوں کی پیہم یلغار میں بھی صبر وشکیب اور ضبط وتحمل کا دامن نہ چھوڑا۔ آپ مزید لکھتے ہیں: موٹا جھوٹا کھاتے اور پہنتے، تکلف وتصنع اور ظاہری شان وشوکت، رکھ رکھاؤ اور خود نمائی کا کبھی تصور بھی نہ آنے دیا، اس کے باوجود اس سادگی پر ہزاروں رعنائیاں قربان تھیں اور دل بے ساختہ کھنچ آتے تھے، جو بات کہتے دل سے کہتے اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ انھیں آنکھوں سے لگایا جاتا اور دلوں میں جگہ دی جاتی۔

مزید فرماتے ہیں: اپنے عالمانہ وقار پر حرف نہ آنے دیتے، سفر وحضر میں شلوار، شیروانی، عمامہ اور عصا کا برابر استعمال فرماتے"۔ آپ مجلس میں گفتگو شگفتہ بعض اوقات ظریفانہ مگر سنجیدہ فرماتے۔" (ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، اشاعت ثانی، ص:483)

خادم نے حضرت رئیس التحریر کو بہت قریب سے دیکھا ہے حضور حافظ ملت کے عرس میں تقریبًا ہر برس مبارک پور تشریف لاتے تھے، مہمان خانے میں آپ کا قیام رہتا، جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے نائب ناظم حضرت مولانا محمد ادریس بستوی کا قیام بھی آپ کے ساتھ رہتا تھا، اس دوران متعدّد نشستوں میں آپ کے پاس بیٹھنے اور علمی اور فکری استفادہ کرنے کے مواقع میسر آتے۔

جامعہ اشرفیہ سے متعلق چند اہم کارنامے:

خلیج کا بحران: عراق کے صدر صدام حسین کے خلاف جنگ جاری تھی، دنیا بھر میں اس کی گونج سنائی دے رہی تھی، 1990ء میں 114 صفحات پر مشتمل ایک کتاب ”خلیج کا بحران“ مرتب ہوئی، اس کے مرتب لیٰس اختر مصباحی اور مبارک حسین مصباحی ہیں۔ ناشر المجمع الاسلامی مبارک پور ہے۔ اردو دنیا میں کتاب کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

رئیس التحریر نے ہماری خواہش پر ”افتراق بین المسلین کے اسباب“ پر گراں قدر تقدیم رقم فرمائی۔ جس کے لیے ہم ایک بار پھر ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں۔

آپ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سیمیناروں میں پابندی سے شرکت فرماتے، عام طور پر کسی ایک نشست کی صدارت بھی فرماتے اور سیمینار کے آخر میں گراں قدر تاثرات عطا فرماتے۔ آپ کے وقیع تاثرات کی تلخیصات ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں شائع ہوتی رہیں۔

آپ چند برس قبل جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، سالانہ پابندی سے اس کی میٹنگ میں شرکت فرماتے۔

آپ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کو بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے۔ آپ کے مضامین بھی شائع ہوتے، مجاہد آزادی استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی بھی آپ کے فکر و قلم کا اہم موضوع رہا، آپ نے خود بھی بہت لکھا اور دیگر اہل قلم سے بھی لکھوانے کی ترغیب دیتے، آپ ہی کی ترغیب پر ہم نے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور ”انقلاب 1857 نمبر“ اگست ستمبر 2008ء نشر کیا، یہ نمبر ہند و پاک سے شائع ہوا۔

ایک بار آپ ذمہ داروں سے گفتگو کر کے جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے، آپ نے حضرت مولانا محمد ادریس بستوی کو بھی مدعو کیا، جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، راقم سطور مبارک حسین مصباحی اور دیگر چند اساتذہ شارح بخاری دار الافتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جمع ہوئے، تلاوت سے مجلس کا آغاز ہوا اور آپ نے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی علمی اور مجاہدانہ شخصیت پر روشنی ڈالی اور مشاورت کے بعد یہ طے پایا کہ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے ایک ضخیم علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر شائع ہو، مضامین کے جمع کرنے اور ادارتی ذمہ داری احقر مبارک حسین مصباحی کو سونپی گئی، اور رقم جمع کرنے کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد ادریس بستوی کو عطا کی گئی۔ تقریبًا 500 صفحات کا نمبر تو تیار ہو گیا کمپوزنگ بھی فائنل ہے مگر باقی ذرائع کے فقدان کی وجہ سے منتظر طباعت ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرمائے اور اگر ہند و پاک میں کوئی ادارہ اشاعتی ذمہ داری قبول فرمائے تو ہم کمپوز شدہ نمبر دے سکتے ہیں۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کا مجھے (احقر مبارک حسین مصباحی) جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس تنظیم سے اپنے مقاصد کے پیشِ نظر بہت سے کام ہوئے اسی کے زیر اہتمام ”بین الاقوامی میڈیا سیمینار“ 18، 19 مئی 2006ء امام احمد رضا لائبریری کے سیمینار ہال میں منعقد ہوا، اس میں میڈیا کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کے منصب صدارت پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سربراہِ اعلیٰ علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی دامت بر کاتہم القدسیہ فائز ہیں۔ اس سیمینار میں ملک کے اکابر علما، یونیورسٹیز کے دانش ور اور نام ور صحافیوں کو مدعو کیا گیا، خصوصی طور پر رئیس التحریر علامہ لیٰس اختر مصباحی علیہ الرحمہ نائب صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ ایک ذمہ دار کی حیثیت سے جلوہ گر تھے۔

امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات آپ کی معروف کتاب ہے، رضا اکیڈمی ممبئی نے بطور تبریک امام احمد رضا ایوارڈ جولائی 1991ء میں آپ کو پیش کیا، اس موقع پر مبلغ گیارہ ہزار روپے اور توصیف نامہ پیش کیا، حضرت رئیس التحریر نے یہ رقم اپنے مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو نذر کر دی۔

ہم جب دہلی حاضر ہوتے تو گاہے بہ گاہے آپ سے شرف نیاز حاصل کرنے کے لیے آپ کے ادارہ دار القلم ذاکر نگر دہلی بھی حاضری کا شرف حاصل کرتے، ایک بار ہم دار القلم کے ذیلی ادارہ جامعہ قادریہ کے سالانہ اجلاس میں مدعو تھے۔ متعدّد بار ہم نے اپنے مصباحی برادران کے

ساتھ تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کی نشستیں بھی کیں جن کی رپورٹیں اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئیں، متعدّد مواقع پر ہم نے دار القلم دہلی میں قیام کرنے کا شرف حاصل کیا۔ ہم اکثر حضرت سے رابطے میں رہتے، آپ اکثر بذریعہ موبائل گفتگو فرماتے اور دیر دیر تک نوازتے۔

(1)- ہم پندرہ برس سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی کے ممبر ہیں، ایک بار حضرت رئیس التحریر بھی منتخب ہوئے، اس دوران ہم دار القلم نئی دہلی پہنچ جاتے، ایک بار حضرت کے حکم پر جامعہ ملیہ اسلامیہ پروفیسر اختر الواسع کے آفس حاضر ہوئے اور ہم تینوں ایک ساتھ میٹنگ میں شریک ہوئے۔

آپ کی موجودگی میں ہم نے ملک کے مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی، بروقت چند مقامات یاد آرہے ہیں۔

(2)- حضرت صدر الافاضل سیمینار و کانفرنس تلسی پور گونڈہ۔

(3)- علامہ فضل حق خیر آبادی سیمینار، دہلی۔

(4)- جشن شارح بخاری [چاندی سے وزن کیا گیا] حج ہاؤس ممبئی۔

(5)- شعیب الاولیا سیمینار براؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر۔

(6)- علامہ فضل حق خیر آبادی سیمینار اور ایک کنونشن میں لکھنؤ۔

(7)- علامہ فضل حق خیر آبادی سیمینار، ممبئی۔

(8)- کرنیل گنج، گونڈہ متعدّد سیمیناروں اور کانفرنسوں میں۔

(9)- صد سالہ جشن مفتی اعظم راجستھان علامہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی قدس سرہ۔

(10)- اجمل العلما سیمینار، زیر اہتمام مدرسہ اجمل العلوم، سنبھل۔

بروقت جو ذہن میں آیا نوٹ کر دیا ورنہ تفصیلات بہت ہیں۔

اکابر سے بے لوث محبتیں:

آپ اپنے اکابر سے بھی خوب محبت فرماتے تھے، ان میں چند کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

(1)- ان میں ایک بزرگ حضور حافظ ملت کے ہم درس سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور، شمس العلما حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد جعفری رضوی جون پوری قدس سرہ۔ موصوف معقولات و منقولات کے جامع اور میدان تدریس کے یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی مجلسیں بڑی پر بہار اور معلومات افزا ہوتی تھیں۔ آپ کا وصال یکم محرم الحرام: 1401ھ/9 نومبر 1980ء میں ہوا، مزار اقدس جون پور یوپی میں ہے۔

(2)- 3 نومبر 1994ء میں "شارح بخاری سمینار" ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام سینٹرل بلڈنگ جامعہ اشرفیہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔ دراصل ادارہ تحقیقات کا بنیادی نشانہ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کی عظیم شخصیت و فکر ہے، آپ کی وسیع خدمات میں تدریس اور شخصیت سازی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ دبستان حضور حافظ ملت کے تلامذہ اور فیض یافتگان کی فہرست انتہائی طویل ہے، جو جہان سنیت میں اپنے اپنے شعبوں میں یکتائے روزگار ہوئے۔ بروقت ارباب حل وعقد نے یہ طے کیا کہ امسال شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی کی عظیم علمی اور دینی شخصیت پر سیمینار کیا جائے، بفضلہٖ تعالیٰ اس موقع پر طالبان علوم نبویہ کے درمیان مسابقاتی مضمون نگاری کے پروگرام کے نتائج بھی پیش کیے گئے۔ اس پروگرام میں حضرت شارح بخاری قدس سرہ کی شخصیت اور وسیع خدمات پر اہل علم وفضل نے اپنے گراں قدر تاثرات کا اظہار فرمایا۔ سر دست ہم اکابر شرکا کی فہرست پیش کرتے ہیں۔

میرِ مجلس شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ۔

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

محدث کبیر حضرات علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

مفتی اعظم مہاراشٹر حضرت مفتی مجیب اشرف رضوی علیہ الرحمہ (م:6 اگست 2020ء)
صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔
رئیس التحریر حضرت علامہ لیس اختر مصباحی، بانی و مہتمم دار القلم دہلی (م:7 مئی 2023ء)
مبلغ اہل سنت حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی، مہتمم دار العلوم قادریہ چریا کوٹ۔
حضرت مولانا رضوان احمد رضوی مصباحی، سابق شیخ الادب شمس العلوم، قصبہ گھوسی۔
حضرت مولانا الحاج شفیق احمد علیہ الرحمہ، سابق استاذ شمس العلوم، قصبہ گھوسی۔
شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا فداء المصطفیٰ قادری، سابق استاذ شمس العلوم، قصبہ گھوسی۔
مورخ اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عاصم قادری، شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم، قصبہ گھوسی۔
حضرت مولانا نصر اللہ مصباحی علیہ الرحمہ، سابق استاذ مدرسہ فیض العلوم، قصبہ محمد آباد گوہنہ۔
حضرت مولانا عارف اللہ مصباحی، سابق استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ۔
معروف ادیب حضرت مولانا محمد شہاب الدین رضوی، سابق مدیر اعلیٰ ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف۔
محترم المقام حضرت مولانا ڈاکٹر شکیل احمد مصباحی علیہ الرحمہ قصبہ گھوسی۔
شہزادہ شارح بخاری عالی جناب ڈائر محب الحق قادری علیہ الرحمہ۔

نظامت کے فرائض سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں 185 طلبہ کے ذریعہ تحریر کردہ مضامین کے نتائج پیش کیے گئے اور انھیں بزرگوں کے ہاتھوں انعامات سے سرفراز کیا گیا۔

اس وقت شارح بخاری سیمینار کو لگ بھگ انتیس برس ہو رہے ہیں۔ اس طویل عرصے میں چند شرکا دنیا کو دائمی الوداع کہہ گئے، اللہ تعالیٰ ان تمام کی مغفرت فرمائے اور جو باقی ہیں انھیں عمر خضر عطا فرمائے۔ بہر حال یہ ایک سچائی ہے کہ رئیس التحریر سیمیناروں اور علمی مجالس میں بڑے کام کی باتیں ارشاد فرماتے تھے۔

رئیس التحریر علامہ لیس اختر مصباحی نے بہ عنوان "شارح بخاری" ایک گراں قدر کتاب مرتب فرمائی جو دائرۃ البرکات قصبہ گھوسی سے شائع ہوئی۔ اس میں فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی کے احوال اور مختلف علوم و فنون میں آپ کی وسیع خدمات کا جائزہ بڑے فکر انگیز انداز میں لیا گیا ہے۔ اس کی بنیادی ضرورت "معارف شارح بخاری" کے لیے قلم کاروں کو مواد اور مرکزی گوشوں کو پیش کرنا تھا۔

معارف شارح بخاری: یہ دستاویزی مجموعۂ مضامین بڑے سائز کے گیارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب چار حضرات ہیں: محمد احمد مصباحی، لیس اختر مصباحی، عبد الحق رضوی اور مبارک حسین مصباحی۔ اس ضخیم مرقع جمیل پر شرف آغاز بعنوان "نقوش شارح بخاری" چودہ صفحات پر مشتمل آپ کے زر نگار قلم نے سپرد قرطاس فرمایا ہے۔

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ سے گہرے روابط تھے، باہمی معاملات گہرے اور رازدارانہ تھے، 6 صفر 1421ھ/11 مئی 2000ء کو حضرت شارح بخاری کا وصال پر ملال ہو گیا۔ بر صغیر میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی، جرائد و اخبارات نے اپنے اپنے انداز سے مرثیے لکھے، اس موقع پر حضرت علامہ لیس اختر مصباحی علیہ الرحمہ ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے مدیر اعلیٰ تھے، آپ نے **"وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی"** کے عنوان سے لکھنے کا حق ادا فرما دیا اور ہمہ گیر علمی اور فقہی شخصیت کا بڑی حد تک احاطہ کر لیا۔ اسی اداریے میں آپ نے لکھا ہے:

"اشرفیہ مبارک پور کے صدر گیٹ سے اس کی مرکزی عمارت میں داخل ہونے سے پہلے دائیں بائیں جانب شمال و جنوب میں جہاں آج خوبصورت سبزہ زار ہے، اسی شمالی سبزہ زار کے اندر 1980ء میں ایک بار شارح بخاری نے طلبہ کو جمع کر کے انھیں نصیحت وہدایت دیتے ہوئے ہم دونوں [مولانا لیس اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد قادری مصباحی] کے بارے میں جس مشفقانہ خورد نوازی کا اظہار فرمایا اس کے سامع و گواہ اس وقت کے سیکڑوں طلبائے اشرفیہ ہیں۔ شارح بخاری نے فرمایا: ان کا کہا ہوا میرا کہا ہوا ہے۔ یہ دونوں میری آنکھیں ہیں۔ اگر مجھے استطاعت ہوتی

تو میں ان دونوں کو سونے سے تولتا۔"(نقوشِ فکر، ص: 16-515تا17)

اہل سنت کی ایک بلند قامت ہستی جسے ہند و پاک میں اس وقت نہایت ممتاز اور نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اس کے داغ مفارقت سے نہ جانے کتنے دل زخمی ہو چکے ہیں۔ نہ جانے کتنوں کے حوصلے ٹوٹ چکے ہیں اور سب سے بڑا سانحہ تو یہ ہے کہ مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا دار الافتا سونا ہو گیا، جس کے در و دیوار سے یہ گھٹی گھٹی سی پر سوز آواز سنائی دے رہی ہے کہ۔

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں   تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

(3)- حضرت علامہ ارشد القادری بلاشبہ قائد اہل سنت تھے، آپ نے عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ اور تحریک و ارشاد کے جو فرائض انجام دیے خاک ہند میں ان کی ایک مثال ہے۔ حضرت علامہ لیٰس اختر مصباحی نے ان کی رحلت پر ماہنامہ کنزالایمان دہلی ربیع الآخر و جمادی الاولی 1423ھ/جولائی 2002ء میں معلومات افزا اداریہ تحریر فرمایا تھا؛ عنوان ہے "**مرقدِ ارشد ہو تجھ پر رحمت حق کا نزول**" آپ تحریر فرماتے ہیں:

"کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو   ہم ڈھونڈنے نکلیں گے مگر پا نہ سکیں گے

وہ قلوب اہل سنت پر اپنی عظیم الشان خدمات اور کارناموں کے ایسے نقوش ثبت کر کے اس جہان سے رخصت ہوئے کہ صدیوں کا سفر اور گردش لیل و نہار مدتوں بعد بھی انھیں محو کرنے میں شاید کامیاب نہ ہو سکے۔ انھیں دیکھنے والے لاکھوں افراد جب ان کی بے قرار زندگی اور ملت اسلامیہ کے لیے ان کے سوز دروں کا ذکر کریں گے تو آنے والی نسلیں انھیں حیرت و استعجاب سے سنیں گی۔ اور خود ان کی داستان حیات و خدمات سنانے والے افراد اپنے اوپر فخر کریں گے کہ ہم نے دین و دانش، فکر و فن، لوح و قلم اور تنظیم و تحریک کے اس سیماب صفت پیکر جمیل کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کی سحر طراز شخصیت کا مشاہدہ کر کے اپنے لیے اعزاز و افتخار کا سامان جمع کر لیا ہے۔ گویا زبانِ حال سے علامہ ارشد القادری کا نقارۂ رحیل اس سوز و ساز کے ساتھ اب خاموش ہو چکا ہے کہ۔

آنے والی نسلیں تم پر فخر کریں گی ہم عصرو   تم جب ان سے یہ کہو گے ہم نے فراق کو دیکھا ہے

آپ مزید لکھتے ہیں:

"راقم سطور لگ بھگ تیس سال سے حضرت علامہ ارشد القادری کے افکار و خیالات، احوال و معاملات اور بہت ساری دینی علمی و تبلیغی و جماعتی سرگرمیوں سے نہ صرف واقف بلکہ کئی اہم مراحل میں آپ کا معاون اور شریک سفر بھی رہا ہے۔ جس کا کچھ اندازہ میرے نام علامہ کے لکھے ہوئے ان خطوط سے اچھی طرح ہو سکتا ہے جو میرے ماہنامہ "حجاز جدید دہلی" میں آج سے تقریباً گیارہ سال پہلے شائع ہو چکے ہیں۔"

حضرت علامہ ارشد القادری نے امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات پر تقدیم کتاب اور مصنف کا تعارف کے عنوان سے ایک گل ریز اور فکر انگیز طویل تحریر سپرد قلم فرمائی ہے، ذیل کے دو اقتباسات ملاحظہ فرمائیے، آپ لکھتے ہیں:

" حضرت مولانا موصوف اردو اور جدید عربی پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ اردو تو ان کی مادری زبان ہے، لیکن عہد طالب علمی ہی سے عربی ادب کے ساتھ جوان کا شغف رہا ہے اس نے رفتہ رفتہ انہیں عربی زبان کا بہترین ادیب بنا دیا۔ اس کے علاوہ انہیں سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں بھی تقریباً ڈھائی سال تک رہنے کا موقع ملا، جہاں انہوں نے جدید عربی ادب کا گہرا مطالعہ کیا اور شب و روز کی محنت شاقہ سے اتنی مہارت حاصل کر لی کہ اب وہ اہل زبان کی طرح جدید عربی میں تحریر و تقریر کی بے محابا قدرت رکھتے ہیں۔"(امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات، ص:15)

آپ کی تحریکی صلاحیتوں کا مشاہداتی جائزہ رقم فرماتے ہیں:

"ورلڈ اسلامک مشن کے ایک موقر وفد نے جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیہ کی دعوت پر اس کی تیسری بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ 15 تا 20 ستمبر 1986ء طرابلس، لیبیا میں شرکت کی، دہلی سے لندن اور وہاں سے طرابلس پہونچ کر وفد نے کانفرنس کی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اور لندن ہوتے ہوئے ہماری واپسی ہوئی، لیبیا اور برطانیہ میں تین ہفتہ تک مولانا موصوف اور راقم سطور کا ساتھ رہا۔ اس سفر میں بہت قریب سے ان کی صلاحیتوں کا جائزہ لینے کا موقع ملا متعدّد وفود و شخصیات سے ملاقات، بین الاقوامی مسائل پر گفتگو، اور دعوت و تبلیغ اسلام کے لیے نئی نئی راہیں نکالنے کے لیے ان کا ذہن جس تیزی و روانی اور وسعت و جامعیت کے ساتھ کام کرتا رہا اس کا اعتراف سارے شرکاے وفد نے کیا اور

تحسین وآفرین کی نظروں سے دیکھا۔(امام احمد رضا، ردبدعات ومنکرات، تقدیم، ص:17)

(4)-"اہلِ سنت کے پیامی !اے نظامی !الوداع"

اس عنوان سے آپ نے ماہ نامہ "حجاز جدید دہلی" جمادی الاولی 1411ھ/نومبر1990ء کا غم انگیز اداریہ تحریر فرمایا تھا۔ دراصل 29 اکتوبر1990ء کوصبح گیارہ بج کرچالیس منٹ پرحضرت علامہ مشتاق احمد نظامی انتقال فرماگئے تھے۔

داغِ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سووہ بھی خموش ہے

آپ اپنے اداریے میں یادوں کے نقوش ابھارتے ہوئے لکھتے ہیں:

" دارالعلوم اشرفیہ مبارک پورضلع اعظم گڑھ، یوپی سے فراغت کے بعد1391ھ/1971ء میں علامہ مشتاق احمد نظامی کے قائم کردہ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں مجھے ایک سال رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت میں نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا۔ اور آپ کے علم وفضل، اخلاص واخلاق، اور ذہانت وطباعی کا مشاہدہ کیا۔ ضیافت ومیزبانی تعظیم وتوقیراور شفقت وخورد نوازی کے بہت سے مناظر میں نے دیکھے، کسی کا بھی ذکر آپ کے سامنے آجائے توتعریف یاخاموشی کے سوا آپ کی زبان سے کسی کی غیبت میں نے کبھی سنی ہی نہیں۔

آپ آگے رقم طراز ہیں:

ہاں !وہ شیر نیستانِ اہل سنت تھا۔ وہ میدان خطابت کا شہسوار تھا۔ وہ بولتا تھا تو مرد مجاہد کا گرم خون اس کی رگوں میں برق تپاں بن جایا کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر فاروقی عظمت وجلال کی لکیریں ہویدا ہوجاتی تھیں۔ اس کے ہاتھ ہوا میں اس طرح لہراتے کہ ضربت یداللّٰہی کا نقشہ چشم تصور کے سامنے پھر جاتا۔ اوراس کے لہجے کی کاٹ ایسی تھی کہ ذوالفقار حیدری کا گمان ہونے لگتا۔

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

فکرو قلم کا رخ بھی ملاحظہ فرمائیے:

پاسبانِ ملت: وہ زبان کے ساتھ قلم کے بھی دھنی تھے۔ انھیں خطابت کے ساتھ صحافت کا بھی اعلیٰ ترین ذوق تھا۔ جس کا مظاہرہ انھوں نے ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے ذریعہ کیااور ہفت روزہ تاجدار بمبئی کو بھی وسیلہ بنایا۔ وہ ان دونوں جریدوں کے بانی بھی تھے اور مدیر اعلیٰ بھی۔ اسی لیے انھیں پاسبان ملت بھی کہا جاتا ہے اور تاجدار ملت بھی۔ انھوں نے عصری تقاضوں کو لبیک کہااور بالغ نظری کا ثبوت بھی دیا۔ ماہنامہ پاسبان کے شذرات آج بھی ہماری جماعتی زندگی کی گراں قدر تاریخی متاع ہیں۔ آپ کی بیش قیمت تحریروں کو یکجا کر کے شائع کردیا جائے توآج کی نئی نسل بھی ان سے مستفید ہوسکتی ہے اور ان تحریروں کے آئینہ میں اپنے ماضی کا مطالعہ کر سکتی ہے۔ خون کے آنسو، ہند کے راجہ، شیش محل، نسیم رحمت، فردوس ادب اور کئی ایک کتابیں بھی آپ کی شہرت ومقبولیت میں چار چاند لگا چکی ہیں۔ ماہنامہ پاسبان کا مجدد اعظم نمبر، محدث اعظم نمبر، عقائد اہل سنت نمبر کا ہماری سنی لائبریریوں کی زینت ہیں۔ انھیں از سرنو شائع کیا جائے توان کی افادیت اور بڑھ جائے۔ آخری عمر میں تذکرہ کے نام سے اپنی یادداشتوں کا مجموعہ مرتب کر رہے تھے۔ معلوم نہیں اس کی تکمیل ہوئی یا نہیں۔

چند آخری باتیں:

یہ ایک سچائی ہے کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نام ور فضلا میں حضرت رئیس التحریر کا اسم گرامی کافی بلندی پر ہے۔ اس طویل عرصے میں آپ نے تصنیف وتالیف اور قیادت وصحافت کی گراں قدر خدمات انجام دیں، اب تک مختلف موضوعات پر پچاس سے زائد گراں قدر کتابیں مرتب فرما چکے ہیں۔ سردست آپ کی تین ضخیم کتابیں: (1)سلسلہ شاہ ولی اللّٰہی-علمی اور دینی احوال وآثار۔(دوضخیم جلدیں)(2)علمائے فرنگی محل (3)حیات صدر الافاضل اور دیگر تحریریں بھی ترتیب واشاعت کی منتظر ہیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے تین فرزند ہیں، اہلیہ محترمہ اور دیگر اعزہ واقارب ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنے خصوصی فضل وکرم کی بارش فرمائے۔ آمین۔ ▪▪▪▪

تفہیم قرآن

امہات المومنین کے فضائل

قرآنی آیات کی روشنی میں

مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

نبی کریم رؤف رحیم علیہ افضل الصلاۃ والسلام کی ازواج مطہرات کی شان بہت بلند ہے، آپ صحابیات میں نمایاں مقام رکھتی ہیں، اور طبقہ نسواں میں سب سے افضل شمار کی جاتی ہیں، قرآن کریم میں ازواج مطہرات کے فضائل و مناقب، اور ان سے متعلقہ احکام و واقعات مختلف سورتوں میں بیان کیے گئے ہیں، ہم اپنے اس مقالے میں سورہ احزاب کی روشنی میں حضرات ازواج مطہرات کے ساتھ فضائل و مناقب تفصیل کے ساتھ رقم کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں:

ازواج مطہرات، مسلمانوں کی مائیں ہیں، ارشاد باری ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ [الأحزاب:6]

یعنی نبی مسلمانوں کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور ان کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اس آیت میں دو باتیں بتائی گئیں ہیں، ایک تنفیذ احکام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات وتصرفات۔ دوسرے ازواج مطہرات کا مقام و مرتبہ۔

کسی بھی دینی یا دنیاوی حکم کے نفاذ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل اختیارات وتصرفات حاصل ہیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا حکم دیں، یا کسی چیز سے منع فرمادیں، اور نفس اس کے بجائے کسی دوسری چیز کی خواہش کرے، والدین یا اہل خانہ منع کرے، حالات ساز گار نہ ہوں، یا کسی بھی طرح کے عوارض در پیش ہوں، بہر صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی جائے گی، اور امر و نہی کی شکل میں جو بھی حکم صادر ہو اس کی بجا آوری لازم اور ضروری ہوگی، کیوں کہ کسی مسلمان کو اپنی جان پر جتنا اختیار ہو سکتا ہے اس سے زیادہ اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امت مسلمہ کی جانوں پر حاصل ہے، فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں۔

لہٰذا نبی کے حکم کے بالمقابل نفس، طبیعت، والدین، خاندان اور ماحول کی بات نہیں مانی جائے گی، کیوں کہ نبی کا حکم رشد و ہدایت پر مبنی ہوتا ہے، اور فلاح و نجات کا ضامن ہوتا ہے، جب کہ خواہش نفس گمراہی کی طرف لے جاتی ہے، اور دنیا و آخرت میں بربادی کا سبب بن جاتی ہے، اسی لیے نبی کا حکم بہر صورت واجب العمل ہوگا۔

اس آیت مبارکہ میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں، فرمایا:

وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

یعنی نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اس آیت کے تحت تفسیر ابو السعود میں ہے:

مُنَزَّلاتٌ مَنزِلَةَ الأُمَّهاتِ في التَّحرِيمِ، واسْتِحْقاقِ التَّعْظِيمِ، وأمّا فِيما عَداذٰلِكَ فَهُنَّ كالأجْنَبِيّاتِ.

تفسیر نسفی میں ہے:

في تَحْرِيمِ نِكاحِهِنَّ، ووُجُوبِ تَعْظِيمِهِنَّ، وهُنَّ فِيما وراءَ ذٰلِكَ كالإرْثِ ونَحْوِهِ، كالأجْنَبِيّاتِ، ولِهٰذا لَمْ يَتَعَدَّ التَّحْرِيمُ إلى بَناتِهِنَّ۔

اسی کے مثل دیگر مستند تفاسیر میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات دو چیزوں میں ماؤں کے مثل ہیں، ایک تعظیم و تکریم میں، دوسرے حرمت نکاح میں، ان کے علاوہ باقی سارے معاملات میں اجنبی خواتین کے حکم میں ہوں گی، لہٰذا ازواج مطہرات کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنیں نہیں ہوں گی، ان سے عام مسلمانوں کو نکاح کی اجازت ہوگی۔ ازواج مطہرات کے بھائی، بہن مسلمانوں کے ماموں، خالہ نہیں ہوں گے۔ ازواج مطہرات کا ترکہ غیر صلبی اولاد میں تقسیم نہیں ہوگا۔

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اس آیت کے تحت تفسیر تبیان القرآن میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کو یہ شرف عطا کیا کہ ان کو مومنین کی مائیں قرار دیا، یعنی ان کی تعظیم اور ان کی بزرگی اور ان کا ادب اور احترام مسلمانوں پر اس طرح لازم ہے جس طرح اپنی ماؤں کا ادب واحترام لازم ہوتا ہے، اور جس طرح ماں محرم ہے اور اس سے نکاح حرام ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے نکاح کرنا امت پر حرام ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ

[الاحزاب:53]

اور نہ تمھارے لیے یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔

اور باقی معاملات میں ازواج مطہرات اجنبی عورتوں کی مثل ہیں، اسی لیے ان سے خلوت میں ملنا، ان کے ساتھ سفر کرنا، بلا ضرورت شرعی ان سے باتیں کرنا اور ان کے چہروں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ

اور جب تم نبی کی ازواج سے سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔ انتھی کلامہ

لہٰذا ازواج طاہرات حرمت نکاح کے باب میں ماؤں کے مثل ہوں گی، اور سگی ماں سے زیادہ ان تعظیم و تکریم ضروری ہوگی، باقی سارے معاملات میں مثلاً خلوت، کلام، حجاب، اور وراثت وغیرہ امور میں اجنبی عورتوں کے مثل ہوں گی۔

ازواج مطہرات کے لیے اجر عظیم ہے:

قرآن کریم نے حضرات ازواج مطہرات کے لیے اجر عظیم کی بشارت سنائی ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا- وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا-

[الاحزاب:28-29]

اس آیت کا ترجمہ یا مفہوم سمجھنے سے پہلے اس کا پس منظر جاننا ضروری ہے، کتب تفاسیر کے مطابق اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرات ازواج طاہرات نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عمدہ ملبوسات، نفقے میں فراخی یا کسی دنیاوی ضرورت کی خواہش ظاہر کی، تو کمال زہد اور عیش وتنعم سے حد درجہ بے اعتنائی کے باعث ان نفوس طاہرہ کی فرمائش خاطر اقدس پر گراں گزری، آپ نے اپنے ازواج مطہرات سے علاحدگی کا فیصلہ کرلیا، اس وقت قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں، اور اللہ رب العزت نے آپ سے فرمایا کہ آپ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زیبائش چاہتے ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ مال دے دوں اور احسن طریقے پر چھوڑ دوں، اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کرتے ہو تو اللہ نے تم میں حسن سلوک کرنے والی بیبیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ان آیات بینات کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے مخاطب ہوئے، اور فرمایا کہ اگر تم دنیا کو اختیار کرنا چاہو تو اختیار کرلو، میں تمھیں دولت دے کر بہتر طریقے پر رخصت کردوں گا، اور اگر مجھے اختیار کرنا چاہو تو میں تمھیں اپنے نکاح میں برقرار رکھوں گا، اس وقت حضرات ازواج مطہرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کو اختیار کیا اور آپ کی خدمت وناز برداری کو ترجیح دی۔

قرآن کریم نے انھی نفوس قدسیہ کے بارے میں فرمایا کہ جو بیبیاں اللہ ورسول کی رضا جوئی کو سب پر مقدم رکھتی ہیں، دنیا کے مقابلے میں آخرت کو اختیار کرتی ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک کو اپنے لیے سرمایہ افتخار اور ذریعہ نجات سمجھتی ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے، اور وہ اجر عظیم یہ ہے کہ جنت الفردوس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں گی، اور وہاں کی دائمی نعمتوں سے سرفراز ہوتی رہیں گی۔

ازواج مطہرات کو دوہرا ثواب دیا جائے گا:

ازواج مطہرات کا اجر وثواب دیگر خواتین کے مقابلے میں دوگنا ہوگا، ارشاد باری ہے:

وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا-

[الاحزاب:31]

اور تم میں جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے، اور نیک کام کرے ہم اسے دوہرا اجر عطا کریں گے، اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔

اس آیت کریمہ کے مطابق حضرات ازواج مطہرات کو ان کے نیک اعمال پر دوہرا ثواب دیا جائے گا، یعنی کسی بھی نیکی پر عامۃ الناس کو دس نیکیاں ملتی ہیں تو ازواج مطہرات کو بیس نیکیاں ملیں گی، علاوہ ازیں آخرت میں ان کے لیے جنت الفردوس کی ابدی نعمتیں ہوں گے اور وہاں عزت کی روزی عطا کی جائے گی، یہ بارگاہ الٰہی میں ان کی وجاہت و مقبولیت کی دلیل ہے، اور یہ سب کچھ حضور اقدس کے فیض صحبت کی برکت اور آپ کی بے لوث خدمت کا صلہ ہے۔

وہ ہیں اللہ والے جو تجھے والی کہیں اپنا
کہ تو اللہ والا ہے ترا اللہ والی ہے

ازواج مطہرات جیسی کوئی خاتون نہیں:

کوئی بھی خاتون فضل و کمال میں ازواج مطہرات کا ہم پلہ نہیں ہو سکتی، ارشاد باری ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ [الأحزاب:32]

اے ازواج نبی! اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو تو تم کسی عورت کی طرح نہیں ہو سکتیں۔

یعنی فضل و کمال میں کوئی عورت ازواج مطہرات کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی، کیوں کہ فضیلت کا معیار دو چیزیں ہیں، ایک اللہ کی معرفت اور خشیت، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور محبت، اور حضرات ازواج مطہرات کو یہ دونوں کمالات بر وجہ اتم حاصل ہیں، اسی لیے وہ تمام خواتین میں افضل اور سب پر فائق ہیں۔

کتب سیرت و طبقات میں حضرات ازواج مطہرات کے علم و فضل، تدبر و بصیرت، عبادت و ریاضت، زہد و ورع، فکر آخرت، دنیا سے بے رغبتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت و خدمت اور ان کے لیے اخلاص و وفاداری، صحابیات کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی، اور اسلام کے لیے قربانی اور جاں نثاری کے واقعات پڑھنے کے بعد ہر منصف مزاج شخص یہی کہے گا کہ جو مقام و مرتبہ ازواج مطہرات کا ہے اس میں کوئی بھی خاتون آپ کا ہم پلہ اور مماثل نہیں ہو سکتی۔

اہل بیت کی اولین مصداق ازواج مطہرات:

حضرات ازواج مطہرات، اہل بیت کی اولین مصداق ہیں، ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا۔[الأحزاب:33]

اے نبی کے گھر والو! اللہ تم سے ہر ناپاکی کو دور کرنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ تمھیں خوب ستھرا کر دے۔

اس آیت کریمہ میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، اور حضرات ازواج مطہرات ہی اس کے اولین مخاطب اور صحیح مصداق ہیں، اس لیے کہ سیاق و سباق میں ازواج مطہرات کا ذکر ہے، پورا مضمون امہات المؤمنین سے متعلق ہے، اس سے پہلی آیات میں یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ کہ کر ازواج نبی کو مخاطب کیا گیا، بعد کی آیت میں وَاذۡکُرۡنَ کہ کر انھیں ذکر الٰہی کی تعلیم دی گئی، تو ظاہر ہے کہ جب اگلی پچھلی آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجات سے خطاب ہے تو درمیان میں أَہۡلَ الۡبَیۡتِ سے مراد ازواج مطہرات ہی ہوں گے، اس کے علاوہ آیت اہل بیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے رجس کو دور کر کے مکمل طور پر ستھرا کرنا چاہتا ہے، اور یہ مضمون سابقہ آیات میں بیان کیے گئے واقعہ اور اس کے بعد نازل ہونے والی تنبیہ سے پورے طور پر ہم آہنگ ہے، اسی لیے اس آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی ہوں گے، البتہ اہل بیت کا مفہوم بہت وسیع ہے، یا اس کے اور دوسرے مصادیق بھی ہیں جس کی بنیاد پر حضرت علی، سیدہ فاطمہ، اور حضرات حسنین کریمین کو اہل بیت کہا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں رب کائنات نے ازواج مطہرات کو اہل بیت کہ کر مخاطب کیا، پھر ان سے فرمایا کہ تمھارا رب تمھیں ہر طرح کے مذموم اور قابل گرفت اعمال سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، اور یہ بھی چاہتا ہے کہ تمھارے ظاہر و باطن کو پاک کر کے مکمل طور پر ستھرا کر دے۔

یہ وہ اعزاز ہے جس میں اہل بیت کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہو سکتا، اللہ جس کو عفت و طہارت عطا کر دے اس کی عظمت و رفعت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ اللہ جس کی عفت و طہارت کا ذمہ لے لے اس کا وقار کوئی مجروح نہیں کر سکتا۔

اس صریح ارشاد کے ہوتے ہوئے اگر کوئی ازواج مطہرات اور اہل بیت کی عزت وکرامت پر انگشت نمائی کرتا ہے تو وہ بجا طور پر قرآن کریم کا منکر، اہل بیت کا گستاخ اور حق وصداقت سے کوسوں دور ہے۔

ازواج مطہرات سے نکاح حرام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ظاہری کے بعد ان کی ازواج طاہرات سے نکاح حرام قطعی ہے، ارشاد باری ہے:

وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا- اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا-

[الاحزاب:53-54]

اور تمھیں اس بات کی اجازت نہیں کہ رسول اللہ کو ایذا دو، اور نہ اس بات کی اجازت ہے کہ ان کے بعد ان کی بیبیوں سے نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔ اور اگر تم اپنے دل میں کوئی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو تو اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہ تعظیم کرنے اور انھیں کسی بھی طرح کی تکلیف دینے سے باز رہنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور بطور خاص اس امر سے آگاہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن خواتین کو زوجیت کا شرف بخشا ان سے نکاح نہ کرو، کیوں کہ وہ دنیا وآخرت میں آپ کی زوجیت میں رہیں گی، اور آپ سے نسبت کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے ماں کے درجے میں ہوں گی، لہٰذا وفات اقدس کے بعد ان سے نکاح ایسے ہی حرام ہوگا جیسے سگی ماں سے حرام ہوتا ہے، مزید فرمایا کہ اس حکم کو معمولی نہ سمجھو، بلکہ ہمیشہ اس سلسلے میں محتاط رہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا اور ان کے بعد ان کی بیبیوں سے نکاح کے بارے میں سوچنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، اور اگر کوئی نکاح کا ارادہ ظاہر کردے، یا دل میں چھپائے رکھے، اور لوگوں سے بیان نہ کرے دونوں صورتوں میں وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا، کیوں کہ اللہ کو ہر شے کا علم ہے، اور وہ اپنے محبوب کی عزت وناموس کے معاملے میں کسی بھی طرح کی تساہلی پسند نہیں فرماتا۔

ازواج مطہرات کا مسکن کاشانہ نبوت ہے:

عورت عدت کے دوران شوہر اول ہی سے منسوب ہوتی ہے، اسی لیے وہ اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے گی، اور اسی کے نفقہ پر گزارا کرے گی، لیکن جب عدت پوری ہوجائے تو پورے طور پر شوہر اول سے علاحدہ ہوجاتی ہے، اور دوسرے شوہر کے لیے حلال ہوجاتی ہے، اسی لیے اب اسے شوہر اول کے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی، لیکن ازواج مطہرات کی شان ہی نرالی ہے، وہ دنیا وآخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حریم عفت میں رہیں گی، اسی لیے نہ ان کے لیے عدت ہے، نہ انھیں اپنا گھر چھوڑنے کی اجازت ہے، فرمایا:

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ

[الاحزاب:33]

اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، اور قدیم جاہلیت کی بے پردگی کی طرح بے پردہ نہ رہو، نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، اور اللہ ورسول کی اطاعت کرو۔

اس آیت مبارکہ میں ازواج مطہرات کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کاشانہ نبوت میں ٹھہری رہیں، وہیں سکونت اختیار کریں، اور بے پردگی سے احتراز کریں۔ حضرات ازواج مطہرات تادم اخیر اس حکم پر عمل پیرا رہیں، بلا ضرورت کبھی گھر سے باہر نہیں نکلیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا کردہ حجروں میں رہ کر تبلیغ دین اور اشاعت علم کا فریضہ انجام دیتی رہیں۔

یہ حضرات امہاتُ المومنین رضی اللہ عنہن کے وہ فضائل ومناقب ہیں جو ان کے درمیان مشترک ہیں، جن کی بنیاد پر وہ صبح قیامت تک آنے والے ہر مسلمان کے لیے سگی ماؤں سے زیادہ قابل تعظیم اور لائق تکریم قرار پاتی ہیں، اللہ رب العزت ہمیں امہاتُ المومنین کی سچی محبت عطا فرمائے، اور ہمیں حشر کے دن صحابہ واہل بیت کے ساتھ اٹھائے، آمین یارب العالمین۔

اہل اسلام کی مادران شفیق
بانوان طہارت پہ لاکھوں سلام
جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
ان سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

***

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین/سوال آپ بھی کرسکتے ہیں

آپ کے مسائل

فسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

مفتی اشرفیہ محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

فٹ بال، مارشل آرٹ کھیل وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

فٹ بال، مارشل آرٹ (حربی فنون یا رزمی فنون) والی بال، بیڈ منٹن اور پی ٹی، کیا طلبہ کو ان کھیلوں کو کھیلنے کی شرعی طور پر اجازت ہے؟ کھیل کے بارے میں علما کیا فرماتے ہیں۔

الجواب: صحت بہتر رہے، اس قصد سے فٹ بال وغیرہ کھیل جسمانی ورزش میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ طلبہ کے ناف سے گھٹنے تک اعضا چھپے رہیں، ورزش کے دوران بھی نہ کھلیں، معاوضہ کے لیے اور تفاخر کے طور پر مقابلہ نہ ہو اور نہ ہی نماز باجماعت اس کے باعث فوت ہو۔

ان شرائط کی رعایت ہو تو یہ کھیل حقیقت میں حفظان صحت کا طریقہ ہے اور جائز امور کھیل کا نام رکھ دینے سے ناجائز نہ ہوں گے جیسے شربت حلال ہے تو وہ کوئی نامناسب نام دینے سے ناجائز نہ ہوگا۔

کھیل اسلام میں ناجائز ہے اس کو لہو ولعب بھی کہتے ہیں کیوں کہ بندہ کھیل کے لیے نہیں پیدا کیا گیا اسی لیے لایعنی کاموں سے بچنے کا بھی حکم ہے۔ البتہ تین کھیل کی اسلام نے اجازت دی ہے:

(1) اپنی بیوی کے ساتھ تفریح (2) گھوڑے کو سدھانا

(3) تیر اندازی کی مشق

کیوں کہ یہ تینوں نام کے کھیل ہیں مگر حقیقت میں بڑی حکمتوں اور مصالح کا سرچشمہ ہیں مثلا بیوی کے ساتھ تفریح اور کھیل کو دنسل انسانی کے وجود اور بقا کا ذریعہ ہے اور بقیہ دونوں نسل انسانی کے تحفظ و بقا اور راحت و آسائش کے ذریعہ ہیں تو اگر کوئی کھیل ایسا ہو جو بظاہر کھیل ہو مگر وہ حفظان صحت کا معیار ہو تو اس حکمت اور مصلحت کی بنیاد پر اس کی اجازت ہوگی۔ ہم اس بارے میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث اور فقہائے کرام کے کچھ ارشادات پیش کرتے ہیں۔

فی الدر المختار: کرہ کل لھو لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کل لھو المسلم حرام الا ثلاثہ ملا عبتہ باھلہ وتادیبہ لفرسہ و مناضلتہ بقوسہ اھ.

(الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع)

وفی رد المحتار: فی الجواھر: قد جاء الا ثر فی رخصتہ المصارعۃ لتحصیل القدرۃ دون التلھّی فانہ مکروہ اھ والظاھر ان یقال مثل ذٰلک فی تادیب الفرس والمناضلۃ بالقوس اھ.(ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ / فصل فی البیع، داراحیاء التراث العربی بیروت 5/ 253 و 258)

وفیہ عن القھستانی عن الملتقط: من لعب بالصولجان یر ید الفروسیۃ یجوز اھ.(ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ / فصل فی البیع، داراحیاء التراث العربی بیروت 5/ 258)

وفی الدر: المصارعۃ لیست ببدعۃ الا للتلھی فتکرہ. برجندی.

(الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ / فصل فی البیع)

حدیث نبوی اور ارشادات فقہا سے بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ کھیل سے مقصود جب کوئی اہم مصلحت ہو تو شرعًا اس کی اجازت ہوتی ہے۔

اس شرح و بیان سے یہ بات بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ سوال میں فٹ بال وغیرہ جن پانچ کھیلوں کا ذکر ہے وہ حفظان صحت کے لیے خاص ورزش کی نیت سے کھیلے جائیں تو جائز و درست ہیں۔

البتہ یہ اجازت چند شرائط سے مشروط ہے۔

(1) کھیلنے اور کھلانے والوں کی نیت جسمانی ورزش اور حفظان صحت ہو۔

(2) مقابلہ و معاوضہ و تفاخر کے طور پر نہ ہو کہ اس میں ہار جیت ہو اور کھیلنے والوں کو کچھ معاوضہ یا انعام دینا مشروط یا عرفا معلوم ہو۔

(3) ناف سے لے کر گھٹنے تک اچھی طرح لباس میں چھپا ہو کھیلنے میں کوئی عضو ظاہر نہ ہو۔

(4) نماز اور جماعت نہ چھوٹنے پائے۔ ان چاروں شرطوں کی پابندی کی جائے تو یہ کھیل حکمت و مصلحت ہیں، لہذا جائز ہیں اور ان کی

پابندی نہ کی جائے تو وہ کھیل واقعی کھیل ہیں حکمت و مصلحت نہیں لہذا ممانعت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پرانی مسجد کو راستہ بنانا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں مسلمانوں نے ایک چھوٹی سی مسجد بنائی اور اس میں نمازوں کا سلسلہ شروع کر دیا کم و بیش دس سال سے مسجد قائم ہے۔ گاؤں والوں نے مسجد کی توسیع کا ارادہ کیا اور مسجد کے بغل میں کچھ جگہ مزید خریدی اور نئی والی جگہ میں مسجد تعمیر کی۔ اور جو پرانی مسجد تھی جس میں پہلے نماز ہوتی تھی اس جگہ کو اب اس طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں کہ اس کو صحن بنا دیا جائے تاکہ نمازی اسی پرانی والی مسجد سے گذر کر نئی والی مسجد میں نماز کے لیے جائیں تو کیا گاؤں والوں کا پرانی مسجد والی جگہ جس میں کم و بیش دس سال سے نماز ہوتی رہی اس کو چھوڑ کر دوسری جگہ مسجد بنانا جائز ہے؟ نیز پرانی مسجد والی جگہ کو صحن اور راستے کے طور پر استعمال کرنا کیسا امزید یہ کہ پرانی والی مسجد کو نئی مسجد میں کس طرح شامل کریں جس سے پرانی مسجد ویران بھی نہ ہو اور نئی مسجد میں نماز بھی ہوتی رہے۔ براہ کرم رہنمائی فرما کر عنداللہ ثواب کے حق دار بنیں۔

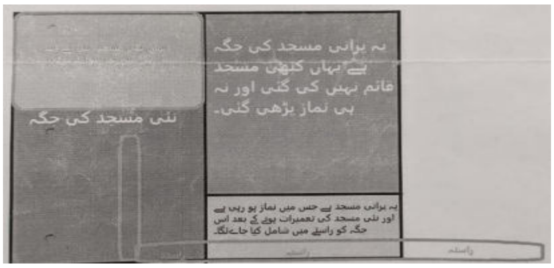

الجواب: مسجد کو عام راستہ بنانا جائز نہیں، اس لیے مسلمان راستے کے واسطے الگ سے زمین حاصل کر لیں یا خرید لیں۔ اور پرانی مسجد کو یوں آباد رکھیں کہ یہ پوری مسجد نئی مسجد سے ملا کر شمال، جنوب میں صفیں دراز کر لیں اور پورے حصے میں نماز پڑھیں۔ وہ حصہ قیامت تک کے لیے مسجد ہے اور وہ بھی بلندی میں آسمان کے کنارے تک، لہذا اس کی بے حرمتی سے بچنا واجب و لازم ہے۔

پرانی مسجد کو یوں چھوڑ دینا کہ اس میں نماز پڑھنا موقوف ہو جائے اور بس نئی مسجد کے راستے کے طور پر اس کا استعمال ہو حرام و گناہ ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَٰجِدَ اللهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا- (القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ:2،الآیۃ:114)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے۔ اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

لہذا پرانی مسجد کو ہرگز ہرگز عام راستے کے طور پر نہ استعمال کیا جائے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو مسجد باقی رکھیں، نئی مسجد کے ساتھ اسے جوڑ دیں اور اس حصے میں نمازوں کی صف شمالاً جنوباً لمبی ہو۔ پھر جیسے مسجد میں نمازی ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے آتے ہیں اسی طور پر اس میں بھی جا اور آ سکتے ہیں۔ پرانی مسجد قیامت تک کے لیے مسجد ہے اور زمین کے نیچے سے لے کر آسمان تک مسجد ہے، اسے ختم نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی عام گزر گاہ بنایا جا سکتا ہے جس میں جنبی اور حائض وغیرہ کو چلنے کی اجازت ہوتی ہے، نہ ہی وہاں جنازے کی نماز پڑھی جا سکتی ہے کہ مسجد کے اندر یہ کام حرام و گناہ ہیں۔ یوں ہی وہاں جوتے چپل پہن کر جانا بھی ممنوع و بے ادبی ہے۔

در مختار میں ہے: و كره تحريما (الوطء فوقه، والبول والتغوط) لأنه مسجد إلى عنان السماء (واتخاذه طريقا بغير عذر) وصرح في القنية: بفسقه باعتياده (وإدخال نجاسة فيه) وعليه (فلا يجوز الاستصباح بدهن نجس فيه) ولا تطيينه بنجس (ولا البول) والفصد (فيه ولو في إناء) ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم وإلا فيكره.

(الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في احكام المسجد)

رد المحتار میں ہے: (قوله: إلى عنان السماء) بفتح العين، وكذا إلى تحت الثرى كما في البيري عن الإسبيجابي.

(قوله واتخاذه طريقا) في التعبير بالاتخاذ إيماء إلى أنه لا يفسق بمرة أو مرتين، ولذا عبر في القنية بالاعتياد نهر .

وفي القنية: دخل المسجد فلما توسطه ندم، قيل يخرج من باب غير الذي قصده، وقيل يصلي ثم يتخير في الخروج، وقيل إن كان محدثا يخرج من حيث دخل إعداما لما جنى اه.

(قوله بغير عذر) فلو بعذر جاز.

في الفتاوى الهندية : لا يدخل المسجد من على بدنه نجاسة۔ (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في احكام المسجد) والله تعالىٰ اعلم

فکرامروز

قرآن مجید کا قدیم ترین نسخہ

العربیہ اردو

ہم نے یہ قرآن نازل کیا اور ہم ہی محافظ ہیں اس دعویٰ خالق حقیقی کے چودہ سو سال گزرنے کے بعد اس کی حفاظت کی ناقابل انکار شہادت برمنگھم کے نسخے کے کاربن ٹیسٹ سے پتا چلی۔ یہ نسخہ دور نبوی 568 سے 645 کے درمیان کا ہے یعنی یہ دور نبوی کا ہے۔

جولائی 2022 میں برطانیہ کی برمنگھم یونیورسٹی کی ایک لائبریری سے ملنے والے قرآن پاک کے قدیم ترین نسخے کے منظر عام پر آنے کی خبر نے اس وقت ایک تہلکہ مچا دیا تھا جب پتا چلا کہ قرآن کا یہ حصہ اب تک دستیاب قرآن پاک کے پرانے نسخوں میں سب سے قدیم ہے۔ العربیہ ڈاٹ نیٹ کے مطابق قرآن پاک کے اسی پرانے نسخے کے بارے میں کچھ مزید تحقیقات کی گئی ہیں جن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مذکورہ قرآنی نسخہ نہ صرف سب سے پرانا ہے بلکہ اسے ممکنہ طور پر خود دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا پہلے خلیفۂ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتب کیا گیا تھا۔

برمنگھم یونیورسٹی کی جانب سے کیے جانے والے ریڈیو کاربن ٹیسٹ سے قرآن پاک کے نسخے میں استعمال کی گئی جلد کی عمر کا پتا چلایا گیا تو معلوم ہوا تھا کہ یہ جلد 1370 برس یا اس سے بھی پہلے کی ہے۔ دبئی میں قائم تحقیقات اسلامی کے ادارہ ’’محمد بن راشد آل مکتوم فاؤنڈیشن‘‘ سے وابستہ اسلامی اسکالر جمال بن حویرب نے بھی اپنی تحقیق میں پایا کہ قرآن کریم کا مذکورہ نسخہ 1370 برس سے پہلے یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تحریر کیا گیا ہے۔

دبئی میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے بن حویرب نے ’’بی بی سی‘‘ ریڈیو کی جانب سے کیے گئے اس دعوے کو درست قرار دیا جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ مذکورہ قرآنی نسخہ اسلامی تحقیقات کے باب میں قرآن کی سب سے پرانی دستاویز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسے ممکنہ طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرتب کیا گیا۔ اسے ’اصل القرآن‘ کہنا بجا نہ ہو گا کہ قرآن کا جو پرانا حصہ ملا ہے وہ موجودہ قرآنی نسخوں سے حرف بہ حرف یکسانیت رکھتا ہے۔ دستیاب ہونے والے پرانے نسخے کو بجا طور پر قرآنی تحقیقات کے باب میں ایک انقلابی قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم کا یہ نسخہ بھیڑ یا بکری کی کھال پر تحریر کیا گیا ہے۔ کاربن ریڈیو ٹیسٹ سے 95.4 فی صد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بھیڑ یا بکری کی کھال 568ء سے 645ء کے درمیان اتاری گئی تھی۔ سیرت نبوی کی کتب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت 23 اپریل 571ء بتائی جاتی ہے اور بعث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز سنہ 610 اور وصال رسول 632ء میں مدینہ منورہ میں ہے۔ ٹیسٹ سے معلوم ہوا کہ جس جانور کی کھال پر قرآن پاک کا یہ نسخہ لکھا گیا وہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھا۔

برمنگھم یونیورسٹی میں قدیم اسلامی اور مسیحی مخطوطات کے ماہر پروفیسر ڈیوڈ ٹامس کہتے ہیں کہ قرآن پاک کا یہ نسخہ ہمیں نبی اکرم آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بہت قریب لے جاتا ہے۔ حجازی رسم الخط میں لکھے اس قدیم قرآنی نسخے نے قرآن پاک کے بارے میں بہت سے شکوک و شبہات کو ختم کر دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن پاک جیسا کہ نبی کے دور میں تھا ایسا ہی چودہ سو سال بعد آج بھی اصل حالت میں موجود ہے اور اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں کی گئی ہے۔

پروفیسر ٹامس کہتے ہیں کہ اس نسخے کے کاتب کوئی صحابی رسول ہیں۔ جس دور میں قرآن کا یہ نسخہ لکھا گیا اس دور میں قرآن اگرچہ کسی مربوط کتابی شکل میں نہیں تھا۔ کچھ حصہ کھجور کی چھال، کچھ جانوروں کی کھال اور اونٹوں کی ہڈیوں پر لکھا گیا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم 632ء میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے جب کہ اس نسخے کی تحریر کی آخری تاریخ 645 عیسوی کی ہے، یعنی آپ کے وصال کے صرف 13 برس بعد اسے لکھا گیا۔

برمنگھم یونیورسٹی میں ملنے والے قرآن کریم کے صفحات 1370

سال پرانے ہیں اور یہ ایک زمانے میں مصر میں فسطاط میں واقع دُنیا کی قدیم ترین مسجد عمر بن عاص میں رکھے ہوئے تھے۔

ماہرین کو یہ یقین ہے کہ یہ صفحات پیرس میں فرانس کی نیشنل لائبریری 'ببلیو تھک نیشونال دی فرانس' میں رکھے قرآن شریف کے صفحات سے ملتے ہیں۔

لائبریری اس بارے میں قرآن کے تاریخ دان اور کالج دی فرانس میں معلم فرانسوادریچو کا حوالہ دیتی ہے جنھوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ برنگھم میں ملنے والے صفحات اور پیرس کی لائبریری میں رکھے ہوئے صفحات قرآن شریف کے ایک ہی نسخے کے ہیں۔

برنگھم یونیورسٹی کی دستاویزت میں قرآن شریف کے صفحات تلاش کرنے والے محقق البافدیلی کا بھی یہی کہنا ہے کہ پیرس اور برنگھم یونیورسٹی میں موجود صفحات ایک ہی نسخے کے ہیں۔

پیرس کی لائبریری میں رکھے ہوئے صفحات کے بارے میں علم ہے کہ یہ فسطاط میں مسجد عمر بن عاص کے قرآن شریف کے نسخے کے ہیں۔

پیرس کی لائبریری کے صفحات انیسویں صدی کے اوائل میں نپولین کی فوج کے مصر پر قبضے کے دوران وہاں تعینات وائس کونسل ایسلین دی چرول یورپ لائے تھے۔

پروفیسر دریچو کا کہنا ہے کہ ایسلین دی چرول کی بیوہ نے یہ نسخہ اور کچھ اور قدیم دستاویزات برٹش لائبریری کو سنہ 1820 میں فروخت کرنے کی کوشش کی لیکن یہ پیرس کی نیشنل لائبریری کو مل گئے اور جب سے اب تک یہ وہیں محفوظ ہیں۔

اسی دوران کچھ حصے نکال لیے گئے جو بعد میں فروخت کر دیے گئے۔ قیاس یہی ہے کہ متعدّد بار فروخت ہونے کے بعد یہ صفحات ایک عراقی پادری 'ایلفاس منگانا' کے ہاتھ آئے۔ وہ مشرق وسطیٰ میں نوادرات اکٹھا کرنے کے لیے مشرق وسطیٰ جایا کرتے تھے ان کا خرچہ برطانیہ کا کیڈبری خاندان اٹھاتا تھا۔ پروفیسر دریچو کا کہنا ہے کہ اس بات کے کوئی سرکاری شواہد موجود نہیں لیکن اس طرح منگانا کو فسطاط کے خزینے کی چند دستاویزات ملی ہوں گی۔ منگانا کو انہی گراں قدر علمی خدمات کے عوض 'لیجن آف آنر' کا اعزاز دیا گیا۔

▫▫▫

(ص:28 کا بقیہ)۔۔۔چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: بیواوں اور مسکینوں کی خبرگیری کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے ۔(راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میرا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس عبادت کرنے والے کی طرح ہے، جو سست نہیں ہوتا اور اس روزے دار کی طرح ہے، جو ناغہ نہیں کرتا ہے۔(بخاری:5353)

لہٰذا اہل خیر و صاحب ثروت افراد کو اس جانب از حد توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ غریب و نادار لوگ بھی اس خوشی سے کسی حد تک محروم نہ رہ سکیں۔

پیغامِ عیدالاضحیٰ: عیدالاضحیٰ سال میں ایک بار آتی ہے اور مومنوں کے دلوں پر سیکڑوں قربانیوں اور یادوں کا دلکش نقش چھوڑ جاتی ہے۔اس کے حسین و پر بہار موقع پر اپنے اعمال وافعال کے ذریعہ رب تعالیٰ کی رضا جوئی و خوشنودی اور قربت و نزدیکی حاصل کریں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنت پر مکمل طور پر عمل کریں اور ان کے فرزند عزیز حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایثار و قربانی جیسا جذبہ و حوصلہ اپنے اندر جاں گزیں کریں۔ اپنے خوشی و مسرت کے ایام میں سب کا یکساں اور برابر خیال رکھیں۔اسی طرح اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں، اپنے اندر سے کبر و انانیت اور بغض و عداوت کے عفریت کو باہر نکال پھینکیں۔ دراصل قربانی اسی کا نام ہے۔

ہماری ذمہ داریاں: عیدالاضحیٰ کی عن قریب آمد ہونے والی ہے۔ابھی سے جانوروں کی خرید و فروخت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ گرچہ عیدالاضحیٰ کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔لیکن مسلمانوں کو ابھی سے ہوشیار اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ چند سالوں سے بقرعید کے موقع پر شرپسند عناصر اپنی شر انگیزی اور فتنہ خیزی سے ملک کے پُر امن ماحول کو خراب کرنے کی ناروا کوششیں کر رہے ہیں۔ خاص طور پر قربانی کے جانوروں کو لے کر مار پیٹ اور قتل و فساد کی فضا ہموار کر کے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کی مذموم حرکتیں انجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنی طرف سے کوئی ایسا کام نہیں کرنا ہے جس سے ان شرپسند عناصر کو کوئی موقع ہاتھ لگے اور حالات خراب اور کشیدہ ہوں۔ بلکہ غیر مسلم علاقوں میں جانوروں کی قربانی سے احتراز اور جانوروں کی کھال کھلے عام ان علاقوں سے لے کر گزرنے سے بھی بچیں۔جن جانوروں پر حکومت کی طرف سے پابندی عائد ہے، ان سے بھی گریز کریں اور قانون شکنی کی زد میں آنے سے بچیں۔ یہ چند احتیاطی تدابیر اور اقدامات ماحول کو پر امن بنائے رکھنے اور شرپسند عناصر کو ان کے مذموم عزائم میں ناکام بنانے کے لیے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔***

شعاعیں

اسلام کا نظریۂ توحید عقل وسائنس کی روشنی میں

مبارک حسین مصباحی

پیش نظر تحریر سال نامہ ”اہلسنت کی آواز“ کا خصوصی شمارہ ”اسلام کا نظریۂ توحید“ جلد 11، شعبان المعظم 1425ھ/اکتوبر 2004ء، مارہرہ مطہرہ میں شائع ہوا تھا۔ ہم ان کے شکریے کے ساتھ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے قارئین کے لیے پیش کر رہے ہیں۔

مبارک حسین مصباحی

ایک بچہ ماں کی گود سے شعور کے سفر کا آغاز کرتا ہے، گردوپیش کے ماحول کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتا ہے، کبھی دل و دماغ پر فرحت وانبساط کے آثار نمودار ہوتے ہیں، چہرے پر تبسم ریز سویرا چھا جاتا ہے۔ کبھی بھوک پیاس یا ناسازگار ماحول سے اضطرابی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور بچہ جھنجلا کر چیخ اٹھتا ہے، اشاروں کنایوں سے مدعاے دل سنانے کی کوشش کرتا ہے، نقل و حرکت سے افہام و تفہیم کا آغاز کرتا ہے۔ توتلائی زبان سے قلبی احساسات کی ترجمانی کرنے لگتا ہے، آہستہ آہستہ مافی الضمیر کی ادائیگی پر قدرت پاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ادراکات و محسوسات کے بارے میں طرح طرح کے سوال کرنے لگتا ہے، دنیا کتنی بڑی ہے، یہ آسمان سے پانی کون برساتا ہے، موسم کیوں بدلتے ہیں، یہ ہوائیں کون چلاتا ہے، یہ ہری بھری فصلیں کون اگاتا ہے، یہ چھوٹے چھوٹے پودے بڑے بڑے درخت کیسے بن جاتے ہیں، یہ سبز ٹہنیوں پر گلابی پھولوں کو کون لگا جاتا ہے، یہ گلوں کے چہروں پر خوشبوئیں کون نچوڑ جاتا ہے، یہ درختوں میں پھل کون لگا جاتا ہے، یہ آموں اور سیبوں میں مٹھاس کون گھول جاتا ہے، یہ انار اور سنتروں میں رس کون بھر جاتا ہے، یہ زمین کے سینے میں پانی کا اسٹاک کس نے بنا رکھا ہے۔ جب یہ سورج مغرب کے آنچل میں روپوش ہو جاتا ہے تو ہر روز مشرق کے افق پر کیوں نمودار ہو جاتا ہے، یہ آسمانوں پر کہکشاں کون سجا دیتا ہے، یہ حد نظر پہاڑوں کے سلسلے کس نے تعمیر کیے ہیں، یہ سمندروں میں پانی کون چھوڑ دیتا ہے، یہ گاے اور بھینس کے پیٹ میں چارے کا دودھ کیسے بن جاتا ہے، یہ مکھیاں پھولوں کا رس نکال کر شہد کیسے بنا دیتی ہیں، یہ گردش لیل ونہار، یہ نظام شمس و قمر، ٹائم ٹیبل کے مطابق کسی نے جاری کر رکھا ہے۔ انسان فکر و شعور کی بلندیوں کو جیسے جیسے عبور کرتا ہے، ہر قدم پر نت نئے اور حیرت انگیز سوال پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ایک دن جھنجلا کر سراپا سوال بن جاتا ہے۔ آخر یہ کائنات کیا ہے اور وہ طاقت کون ہے جو نظم وضبط کے ساتھ اس نظام کائنات کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے؟

یہ کائنات کوئی محسوس حقیقت ہے یا صرف وہم و خیال کا واہمہ ہے۔ اگر اس کا واقعی وجود ہے تو یہ کسی اتفاق و حادثہ کا نتیجہ ہے یا اس کا کوئی خالق و مربی ہے۔ اگر کسی نے پیدا کیا ہے تو پیدا کرنے والا پیدا کر کے معطل ہو گیا یا اس کی تخلیق و پرورش کا مسلسل سفر جاری ہے۔ اس کائنات کے خالق و مربی متعدّد ہیں یا کوئی ایک ذات ہے۔ اس کائنات کا آغاز و انجام ہے یا ابدی اور ازلی ہے، یہ کائنات اگر حادث ہے تو اس کا خالق و مربی حادث ہے یا ازلی اور ابدی ہے، ان تمام سوالات کا جواب انسان کی عقل نارسا نے بھی تلاش کیے اور مذاہب عالم نے بھی، لیکن آج کے دور میں ان سوالات کا اطمینان بخش جواب اگر کہیں ملتا ہے تو اس کا نام صرف اور صرف اسلام ہے۔ اب آیئے اس مدعا کے دلائل پر ایک تجزیاتی نگاہ ڈالیں۔

کائنات اور خالق کائنات کے تعلق سے انسان کے دل و دماغ میں اس قسم کے سوالات ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور عقل پرستوں نے اپنے اپنے معیار عقل سے ان کو حل کرنے کی کوششیں بھی کی ہیں لیکن صدیوں کے فکری سفر کے مضحکہ خیز نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ انسانی فکر نے جب بھی اس کائنات اور نظام کائنات میں عقل کے گھوڑے دوڑائے ہیں، انسان چند قدم چل کر اپنی علمی بے مائیگی اور فکری درماندگی کی دل دل میں لڑکھڑا کر گر پڑا ہے۔ مذہب کا دامن جھٹک کر کسی انسان کو کائنات کے مابعد طبیعیات حقائق اور رازہاے سربستہ کا سراڈھونڈنے سے نہیں ملتا، اور جیسے جیسے انسان سائنسی دریافتوں اور کائناتی مشاہدات کی منزلوں کو عبور کر رہا ہے، لمحہ بہ لمحہ نئے نئے جہان اس کی آنکھوں کو خیرہ کرتے چلے جا رہے ہیں اور جوں جوں انسان کائنات کے نظم وضبط اور تہ دار حقائق میں غور و فکر

کرتا ہے، ورطہ حیرت کے اندھیروں میں اس طرح ڈوب جاتا ہے کہ ہاتھ پیر مارنے پر بھی کسی سمت سفر کا سراغ نہیں ملتا۔ ہم ان باتوں کو مذہب کے روایتی دباؤ میں نہیں بلکہ عقل و سائنس کی روشنی میں سپردِ قلم کر رہے ہیں۔

اب ہم اس اجمال کی تفصیل سے پہلے ایک غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے اس نقطۂ فکر کو آپ کے ذہنوں میں اتار دینا ضروری سمجھتے ہیں، بعض ناپختہ اور مغرب زدہ دماغوں نے اس مفروضے کو بڑے طمطراق سے پیش کرنا اپنا روز مرہ بنا لیا ہے کہ کوئی مذہب اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ بالکل بے بنیاد مفروضہ ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ عقل اور مذہب میں کوئی ٹکراؤ نہیں، سائنس اور مذہب میں کوئی تضاد نہیں بشرطے کہ وہ مذہب سچا اور صحیفۂ آسمانی کے عین مطابق ہو۔ جنگ لامذہبیت اور عقل و سائنس کے درمیان ہے، اس طے شدہ حقیقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے بعد ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ لامذہبیت اکیسویں صدی عیسوی میں پتھر کا ایک مجسمہ بن کر رہ گئی ہے، اکیسویں صدی سائنس کی صدی ہے۔ سائنسی انکشافات اور نت نئے حقائق کی دریافتوں نے انسانی عقل و شعور کو مذہب کی دہلیز پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جوں جوں انسان عالم فطرت سے آشنا ہوتا چلا جائے گا اس کے دل کا دروازہ دین فطرت کے لیے واہوتا چلا جائے گا۔ یورپ و امریکہ کے دانش کدوں میں جس کا آج مشاہدہ کیا جا رہا ہے، میڈیا پر نظر رکھنے والے اہل دانش مغربی ممالک میں قبول اسلام کی بڑھتی ہوئی رفتار سے اچھی طرح واقف ہیں۔ سر دست یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اب آئیے کائنات اور خالق کائنات کے حوالے سے عقل پرستوں کے نظریات اور ان کے دلائل کا جائزہ لیں۔

کیا کائنات کا وجود ایک فریب نظر ہے؟

عالم کیا ہے؟ اس معمے کو حل کرنے کے لیے انسانی تاریخ میں بارہا کوششیں کی گئیں کہ یہ مادی عالم اپنے وجود میں کسی خالق و مربی کا محتاج ہے یا نہیں لیکن اس عالم کا وجود بہر حال امر واقعہ ہے۔ ایک معمولی عقل والا انسان بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن فریب خوردہ انسانوں کا ایک گروہ اس کے وجود کا ہی سرے سے منکر ہے، اس کا کہنا ہے اس عالم کا وجود ایک فریب اور واہمہ ہے، اس کی اصل حقیقت کچھ بھی نہیں۔ علم طبیعیات کے ماہر جیمس جینز نے اپنی کتاب ”پراسرار کائنات“ میں اس مفروضے پر ان الفاظ میں رائے زنی کی ہے:

”علم طبیعیات کے جدید تصورات کے مطابق کائنات کی کوئی مادی توجیہ ممکن نہیں اور اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ کائنات کا سارا معاملہ ہی اب ایک تخیلاتی معاملہ بن گیا ہے۔“

اس نظریہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ زمین اور اس کے سبزہ زارے، یہ نیلگوں آسمان اور اس کی کہکشاں، یہ سر بہ فلک پہاڑوں کے سلسلے اور ان کے دامن سے ابلتے ہوئے دل فریب چشمے، یہ انسانی کائنات اور روے زمین پر اس کی آبادکاری، یہ سائنسی نظام اور اس کی حیرت انگیز ایجادات، یہ گرد و پیش کا ماحول اور خورد و نوش کی سیکڑوں نعمتیں، یہ جنگلات کا خوفناک منظر اور اس کے خطرناک درندے، کیا یہ سب کچھ ایک خواب و خیال ہے، اس مضحکہ خیز نظریہ پر گفتگو کرنا قارئین کا وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں لیکن اس نظریے کے حاملین کی فکری بے راہ روی کی نشاندہی کے لیے ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ ایک انسان جب اس واہمہ کو پیش کرتا ہے تو ٹھیک اس وقت وہ انسان اور کائنات کے وجود کو غیر شعوری طور پر تسلیم کر لیتا ہے، اس کا سوال کرنا چیخ چیخ کر اعلان کر رہا ہے کہ کوئی چیز ہے جس کے بارے میں وہ سوال کر رہا ہے اور کوئی ہے جو اس سوال کو بار بار دہرا رہا ہے، اس طرح یہ فلسفۂ تشکیک بیک وقت انسان اور کائنات دونوں کو تسلیم کر لیتا ہے، اس مقام پر علامہ قمر الزماں اعظمی کا ایک اقتباس نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

انسان نے وہیں تک سمجھا اور سمجھایا جہاں تک اس کی عقل نے، اس کے تجربے اور مشاہدے نے اس کا ساتھ دیا اور جہاں عقل و تدبیر، تجربہ و مشاہدہ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا انسان نے اس منزل پر اعتراف شکست کو جواب سمجھ لیا اور خاموش ہو گیا، مثال کے طور پر بعض فلسفیوں نے جب کائنات کے بارے میں غور کرنا شروع کیا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت و استعجاب کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا کہ ابھی ہم کائنات کی ایک حقیقت کے بارے میں غور و فکر کر رہے ہیں، اس کی آغوش سے ہزاروں اشیا جنم لیتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور ہمیں دعوت دیتی ہیں، اس طرح ہر ذرہ ایک جہان تازہ معلوم ہوتا ہے اور یہ سب کچھ بالکل خیال کی تیزی اور سرعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی منزل تحقیق میں پہنچنے کے بعد وہ پکار اٹھتا ہے۔

عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

(سہ ماہی کوثر مبارک پور، 1985ء، ص:12)

کیا یہ کائنات بخت و اتفاق کا نتیجہ ہے؟

عقل پرستوں کا ایک طبقہ اس پوری کائنات اور اس کے

مربوط نظام کو بخت واتفاق کا نتیجہ کہتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ مادے اور اس کی تمام تر توانائی از خود پردۂ عدم سے وجود میں آگئیں۔ دہریے اس تصور کو نہ صرف ممکن مانتے ہیں بلکہ ایک یقینی واقعہ کے طور پر بے تکلف بیان کرتے ہیں۔ مکسلے کے الفاظ یہ ہیں:

”چھ بندر ایک ٹائپ رائٹر لے کر بیٹھ جائیں اور اربوں کھربوں سال تک الل ٹپ طریقے سے ان کو پیٹتے رہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان کے سیاہ کیے ہوئے کاغذات کے ڈھیر سے کسی صفحہ پر شیکسپیئر کی ایک نظم نکل آئے۔ اسی طرح اربوں کھربوں سال تک مادّے کے اندھے عمل کے دوران میں بالکل اتفاق سے یہ دنیا بن گئی ہے۔“

نادان عقل پرستوں کا نظریہ اس حقیقت کا واضح اعتراف ہے کہ انسانی عقل نے وجود کائنات کی کوئی توجیہ تلاش کرنے کی جدوجہد کی لیکن چند ہی لمحوں کے بعد اس کی عقل کی روشنی غائب ہو گئی اور ہر طرف اسے گھٹاٹوپ تاریکیوں نے گھیر لیا اور محض عقل نارسا سے وجود کائنات کی کوئی گتھی نہ سلجھ سکی تو بخت واتفاق کے مضحکہ خیز نظریہ کا سہارا لے کر خود فریبی کی دنیا میں مطمئن ہو گیا۔ در اصل یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اس نے اپنے فکری تاج محل کی بنیاد انکار خدا کی زمین پر اٹھائی تھی، فکر کی دیواروں کے نیچے جب اثبات خدا کی زمین محسوس ہوئی تو اس کی فکر کا اٹھتا ہوا تاج محل اسی لمحہ دھواں دھواں ہو گیا اور بر وقت اپنے مزعومے کے باقی رکھنے کے لیے دور تک کوئی سہارا نہ مل سکا تو گھبرا کر یہ کہہ کر خاموش ہو گیا کہ یہ پوری کائنات اور اس کا منظم مربوط نظام محض بخت واتفاق کا نتیجہ ہے۔

پرنٹس یونیورسٹی کے استاذ حیاتیات پروفیسر کانکلن Conklin کہتے ہیں: ”عناصر کے اجتماع سے زندگی کا اتفاقاً پیدا ہو جانا اتنا ہی امکان رکھتا ہے جتنا چھاپے خانے میں یکلخت دھماکا ہو جانے سے ایک پوری ڈکشنری مرتب اور طبع ہو کر نکل آنے کا اتفاق ہے۔“

سائنس کے نظریات ہر وقت تغیر پزیر رہتے ہیں۔ اہل سائنس ہر وقت اپنے محدود محسوسات وتجربات کی روشنی میں حق وصداقت کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اس کائنات کے بارے میں سائنس نے بارہا عقل وتجربہ کا سہارا لیا لیکن چند قدم اٹھا لینے کے بعد اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تمام تر جدوجہد ایک حکایت تشنہ وسراب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ ایک امریکی طبیب نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

”جوں جوں علم ترقی کرتا ہے اسی رفتار سے سائنس کا مذہب پر تفوق ختم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ سائنس سے اگر صحیح کام لیا جائے تو انسان خود بخود خدا پر ایمان لے آتا ہے۔“

اور بقول ماہر علوم طبعی ارونگ ولیم نابلاخ:

”سائنس کے پاس اس بات کا کوئی معقول جواب نہیں کہ مادے کے یہ چھوٹے چھوٹے ذرات کیوں کر معرض وجود میں آئے محض اتفاقات تو ان کے وجود کا سبب نہیں ہو سکتے، پھر سائنس اس معمے کو بھی حل کرنے سے قاصر ہے کہ ذرات سے زندگی کیوں کر پیدا ہو گئی۔ وہ نظریہ جو وثوق کے ساتھ اس بات کا دعوے دار ہے کہ زندگی کی یہ ترقی یافتہ حالتیں بخت واتفاق کی رہین منت ہیں، ایک قسم کا اندھا اعتقاد ہی ہے۔ سائنس بھی ایمان کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس مذہب میں ہمیں اپنے حواس، اپنے حالات اور اتفاقات پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو سائنس اور مذہب ایک ہی سطح پر ہیں۔ (خدا موجود ہے، ص:85-86)

ماہر طبیعیات لارڈ کیلون کا ایک بڑا مشہور قول ہے:

”آپ جتنا زیادہ غور وفکر سے کام لیں گے اتنا ہی سائنس آپ کو خدا کے ماننے پر مجبور کر دے گا۔“

ایک عیسائی سائنس داں کیمیاوی عناصر کے دوری نقشے Periodic Chart پر مفصل گفتگو کرتے ہوئے سوال کرتا ہے کہ ان کی یہ حیرت انگیز ترتیب کیا محض اتفاق کا نتیجہ ہو سکتی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ بہت سے پروٹون، نیوٹرون اور الیکٹرون لے کر کسی ہنڈیا میں پکائے جائیں اور نتیجے میں 102 کے قریب عناصر تیار ہو کر نکلیں؟ وہ کہتا ہے اس کا امکان اتنا ہی ہے جتنا مختلف کھانوں کے اجزائے ترکیبی ملا کر ایک ساتھ پکانے سے مختلف کھانے الگ الگ رنگ، شکل، مزے اور خصوصیات کے ساتھ خود بخود پک کر برآمد ہونے کا امکان ہے۔

کیا یہ کائنات ازلی وابدی ہے؟

فلسفۂ قدیم کا اس کائنات کے بارے میں ایک نظریہ ہے کہ اس کائنات کا حصار مادہ پر ہے اور قدیم ہے، لیکن حرکیات حرارت کے قوانین سے حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ یہ کائنات انحطاط پزیر ہے اور ایک دن آنے والا ہے، جب تمام موجودات اپنی حرارت کھو بیٹھیں گے اور زندگی کے ہنگاموں سے بھرپور اس کائنات کا نقطۂ آغاز ضرور ہے اور ایک مقرر معین ساعت میں یہ کائنات وجود میں آئی ہے اور یہی حقیقت اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ کائنات خود بخود وجود میں نہیں آگئی بلکہ یہ کسی کی قوت تخلیق کا کرشمہ ہے اور یہ تسلیم کے بغیر چارہ نہیں۔

علت اولیٰ کی حیثیت سے ایک ازلی و ابدی ذات اور علیم و قدیم ہستی ضرور ہے جس نے اس کائنات کو وجود بخشا اور صورت گری کی، زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے اس کرۂ ارض پر اتنے انتظامات نظر آتے ہیں اور نظام کائنات اتنے نظم و ضبط سے جاری ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کسی خالق و مربی کے بغیر یہ سب کچھ ہو گیا اور مسلسل ہو رہا ہے۔ یا یہ سارا نظامِ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس نے سائنس کا مطالعہ کیا ہے اور سائنس کے جدید نظریات پر نظر رکھتا ہے وہ کبھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ یہ کائنات ازلی اور ابدی ہے تغیر و انقلاب اس کا بنیادی اصول ہے اور اس معاملہ میں مذہب و سائنس ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں۔

حضرت امام غزالی نے کائنات کے حدوث پر متعدّد عقلی دلائل سپردِ قلم کیے ہیں ہم ذیل میں ان کی تلخیص پیش کرتے ہیں:

یہ عالم حادث ہے یعنی ازلی و ابدی نہیں ہے، کیوں کہ آپ اس کائنات میں کسی بھی جسم کو دیکھ لیجیے حرکت و سکون سے خالی نہیں اور حرکت و سکون دونوں حادث ہیں اور جو حادث چیزوں سے خالی نہ ہو وہ بھی حادث ہے۔ اس مدعا میں تین دعوے کیے ہیں۔

(1) تمام اجسام متحرک ہیں یا ساکن ہیں اور یہ دعویٰ بالکل بدیہی ہے اگر کوئی شخص کسی جسم کے بارے میں یہ کہے کہ نہ وہ متحرک ہے اور نہ ساکن ہے تو اس کی جہالت و نادانی ہے۔ ایک معمولی عقل والا انسان بھی اس کی نفی نہیں کر سکتا۔

(2) دوسرا دعویٰ یہ کیا گیا کہ حرکت و سکون حادث ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں یعنی ایک کا وجود دوسرے کے بعد ہوتا ہے اور یہ تمام اجسام میں سر کی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اس لیے کہ جو ساکن ہے عین تقاضائے عقل ہے کہ وہ متحرک ہو سکتا ہے اور جو متحرک ہے اس کا ساکن ہونا عقلاً ممکن ہے تو ان دونوں میں سے جو حالت بھی جسم پر طاری ہوگی وہ طاری ہونے کی وجہ سے حادث ہوگی اور پہلی حالت اپنے معدوم ہونے کی وجہ سے حادث ہوگی اس لیے کہ اگر وہ حادث نہ ہوتو لامحالہ قدیم ہوتو عدم محال ہوگا۔

(3) اور تیسرا دعویٰ یہ کہ جو چیز حوادث سے خالی نہ ہوگی وہ خود حادث ہوگی اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہر حادث سے پہلے بہت سے حوادث ہوں گے جن کی ابتدا نہ ہوگی اور اگر یہ حوادث منقطع نہ ہوں گے تو جواب موجود ہے اس کے وجود کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

کیا اس کائنات کے چند خالق ممکن ہیں؟

یہ کائنات اپنے منظم نظام کے تحت قائم ہے، اگر اس کائنات کے چند خالق و مربی تسلیم کر لیے جائیں تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور نہ صرف یہ کہ چند الٰہ نہیں ہو سکتے بلکہ اس کی صفات ذاتیہ میں بھی کسی کو شریک ماننا ممکن نہیں۔ خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی غیر کو شریک ماننے کا نام ہی شرک ہے۔ قرآن عظیم نے بڑے واضح انداز میں شرک کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے اور شرک کی تردید میں انتہائی معقول دلیل دیتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

”لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾“ (سورۃ الانبیاء، آیت: 22، 23)

ترجمہ: اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی ان آیات قرآنی کے تحت چند خداؤں کے عقلی امکانات کی تردید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”کیونکہ اگر خدا سے دو خدا مراد لیے جائیں جن کی خدائی کے بُت پرست معتقد ہیں تو فسادِ عالَم کا لزوم ظاہر ہے کیونکہ وہ جمادات ہیں، تدبیرِ عالَم پر اصلاً قدرت نہیں رکھتے اور اگر تعمیم کی جائے تو بھی لزومِ فساد یقینی ہے کیونکہ اگر دو خدا فرض کئے جائیں تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ دونوں متفق ہوں گے یا مختلف، اگر شے واحد پر متفق ہوئے تو لازم آئے گا کہ ایک چیز دونوں کی مقدور ہو اور دونوں کی قدرت سے واقع ہو یہ محال ہے اور اگر مختلف ہوئے تو ایک شے کے متعلق دونوں کے ارادے یا معاً واقع ہوں گے اور ایک ہی وقت میں وہ موجود و معدوم دونوں ہو جائے گی یا دونوں کے ارادے واقع نہ ہوں اور شے نہ موجود ہو نہ معدوم یا ایک کا ارادہ واقع ہو دوسرے کا واقع نہ ہو یہ تمام صورتیں محال ہیں تو ثابت ہوا کہ فساد ہر تقدیر پر لازم ہے۔ توحید کی یہ نہایت قوی بُرہان ہے۔“

اب رہا یہ سوال کہ باری تعالیٰ سے نہیں پوچھا جائے گا اور باقی سے سوال ہوگا۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر الافاضل رقم طراز ہیں:

”کیونکہ وہ مالکِ حقیقی ہے جو چاہے کرے، جسے چاہے عزّت دے جسے چاہے ذلّت دے، جسے چاہے سعادت دے جسے چاہے شقی کرے، وہ سب کا حاکم ہے کوئی اس کا حاکم نہیں جو اس سے پوچھ سکے۔“ (تفسیر خزائن العرفان سورۃ الانبیاء، آیت: 23)

موجودہ سائنس نے دہریت اور مادہ پرستی کے ساتھ ساتھ شرک کی بھی پوری طرح کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ آج یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پوری کائنات ایک مادّہ سے بنی ہے اور ایک ہی طرح کے قوانین اس میں کار فرما ہیں، یہ عظیم الشان کارگاہِ ہستی، جس میں کم از کم 125 بلین نظام

فلکی پائے جاتے ہیں اور جس کے صرف ایک نظام میں ہمارے سورج اور اس سے بھی ہزاروں گنا زیادہ جسیم 100 بلین سے 500 بلین تک سورج سورج اپنے نظاموں کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کے عناصر ترکیبی ہر جگہ یکساں ہیں اور وہ وہی عناصر ہیں جن سے ہماری زمین اور اس کی مخلوقات بنی ہیں۔ آج بعید ترین تاروں کا بھی جو مشاہدہ کیا گیا ہے ان میں وہ عناصر پہچانے گئے ہیں جو ہماری زمین پر عام ہیں اور قوانین فطرت کی عالم گیری ہی انسان کو اس قابل بنا رہی ہے کہ زمین سے اٹھ کر فضائے بسیط میں جانے اور دوسرے سیاروں پر پہنچنے کے منصوبے سوچ سکے۔ ان معلومات نے اس وہم وگمان کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے کہ یہ کائنات مختلف خداؤں کے درمیان بنی ہوئی ہے۔ قرآن عظیم کے اس اعلان کی دہلیز پر آج سائنس بھی جبیں سائی کرنے پر مجبور ہے۔

"وَ هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ۝۸۴" (الزخرف: 83)

ترجمہ: اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا اور وہی حکمت والا ہے۔

"وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ" (الانعام: 3)

ترجمہ: اور وہی اللہ ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔

خدا کے وجود پر ایک اور عقلی دلیل:

ارباب مذہب کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مربی ایک خدا ہے، خدا کے وجود کے منکرین کے لیے بلا شبہ یہ ایک دعویٰ ہے اور کسی بھی دعوے کو عقل کی میزان پر پرکھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے فرض کیا جائے کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یعنی کسی دعوے کے صحیح یا غلط ہونے کے نتیجے تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ عقل کی میزان کے شرائط پورے کیے جائیں ان سے مزعومہ نتائج اخذ کیے جائیں اور اس کے بعد یہ فرض کر کے کہ یہ دعویٰ صحیح ہے آگے بڑھا جائے۔ اب آیئے ہم اپنے اس مدعا کو کہ خدا موجود۔۔۔ عقل کی میزان پر پرکھنے کے لیے ذیل میں چند مبادیات پر غور کرتے ہیں۔

(1)۔ یہ ایک مکمل سچائی ہے کہ ہمارا علم و مشاہدہ کائنات کے تمام حقائق و وقائع کو محیط نہیں بلکہ ہمارا علم و مشاہدہ جزوی طور پر بھی ناقص اور ایک رخا ہے اور ہمارا یہ دعویٰ کہ خدا کا وجود ہی ایسے حقائق پر مبنی ہے جو عقل و سائنس کے تجربہ اور مشاہدہ سے ماوریٰ ہے۔

(2)۔ اہل مذہب کا دعویٰ ہے کہ خدا ایک روحانی وجود ہے اور جسم و جسمانیات سے پاک و منزہ ہے بلکہ اس کی ذات اقلیم فطرت کی لامحدود وسعتوں پر محیط ہے اور زمان و مکان کی ان تمام قیود سے بالاتر ہے جن پر ہم اپنے تجربات و مشاہدات کی بنیاد رکھتے ہیں اور کوئی ذی عقل اور انصاف پسند انسان اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ عالم طبیعی اور زمان و مکان کی حدود و قیود جن میں ہم رہتے ہیں، کل کائنات نہیں بلکہ کائنات کا ایک حصہ ہیں اور ہمارے علم و مشاہدہ کی دنیا ایک معمولی جہان کی حیثیت رکھتی ہے۔

اب جب عقلی طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ انسانی عقل و مشاہدہ کا دائرہ محدود ہے اور کائنات کا ایک بڑا حصہ ہم سے اوجھل ہے اور مابعد الطبعی عالم سائنس و تجربات کی رسائی سے بالاتر ہے تو اب کل کائنات اور مابعد الطبیعیات سے باخبر ہونے کا ہمارے پاس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ اہل مذہب جس خدا کے قائل ہیں کیا اس کی ذات ان حقائق سے باخبر کر سکتی ہے جہاں عقل انسانی کی رسائی نہیں ہے تو جواب اثبات میں ملتا ہے اور عقلی طور پر اس تصدیق کے لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے جو مستقبل کی خبریں دی ہیں یا کائنات کے پنہاں حقائق کے بارے میں جو خبریں دی ہیں وہ حرف بہ حرف ہمارے مشاہدات کی روشنی میں ہیں اور آسمانی کتابوں میں اس کی پیش کی ہوئی پیشین گوئیاں آنے والے ادوار میں بالکل حق و سچ ثابت ہوئیں۔ اس انداز فکر پر بہت سے محققین اور اہل سائنس نے تاریخ عالم کا مطالہ کیا اور وجود باری تعالیٰ کی ذات کو تسلیم کرنے پر سرخمیدہ ہو گئے۔ ہمارے سامنے قرآن و حدیث کے ذخائر میں عالم روحانیت اور مابعد الطبیعیات کے بارے میں معلومات کا ایک وسیع ذخیرہ ہے۔ انبیائے کرام نے اپنے مستقبل کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کیں وہ احوال و وقائع مستقبل میں رونما ہوئے، غیب کی خبریں اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ان کے علم کا منبع اور سرچشمہ عالم کون و مکاں سے ماوریٰ ہے۔

نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت سے ہزاروں برس قبل آسمانی کتابوں میں ان کی آمد کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کی گئیں ان کے معجزات اور ان کے تبلیغی مشن کی تفصیلات بیان کی گئیں، پھر ان کے بعد آخری نبی کا بعینہ ان ہی خرق عادات حالات و معجزات کے ساتھ ظہور پذیر ہونا اور ان الہامی کتب میں جو پیشین گوئیاں کی گئیں تھیں ان ہی خصوصیات کے ساتھ آپ ﷺ کا جلوہ گر ہونا اس مدعا کا واضح عقلی ثبوت ہے کہ کوئی ذات ہے جس کا علم پوری کائنات کو محیط ہے اور کوئی ذات ہے جو اس کائنات کو مربوط اور منظم نظام کے ساتھ رواں رکھے ہوئے ہے۔ ان حقائق سے نہ صرف ذات الٰہی کا ثبوت، اخبار الٰہی اور الہامی کتب کی تصدیق ہوتی ہے۔ بلکہ یہ بات بھی پورے طور پر ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت اور ان کی تعلیمات بھی مبنی بر حق ہیں۔

اسلام ہی دین حق کیوں؟

گزشتہ بحثوں کے مطالعہ کے بعد عقل انسانی کو اس حقیقت کی دہلیز پر سرخمیدہ ہو جانا چاہیے کہ یہ کائنات مربوط اور منظم نظام کے تحت

جاری ہے اور اس کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ایک خدا ہے جو ازلی اور ابدی- مذہب اس حقیقت کا داعی ہے جب کہ لادینیت اور دہریت اس کی منکر ہے۔

سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جس میں مکمل نظام حیات خدا کے بنائے ہوئے قانون کے عین مطابق ہو اور جس میں مابعد الطبیعیات یعنی ما قبل کائنات، مافوق الفطرت اور آخرت کے تعلق سے مکمل اور صحیح معلومات ہوں۔

آج عالمی سطح پر جو نظام حیات یا مذاہب پائے جاتے ہیں ان کو ہم تین قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1)-وہ نظام حیات یا مذہب جو صرف انسانی عقل و شعور اور فکر و تدبر کا نتیجہ ہیں اور ان کے پاس آسمانی ہدایت نامہ کے نام سے کوئی چیز نہیں اور نہ وہ اس کے داعی ہیں جیسے: جین مذہب، بودھ مذہب، کمیونزم اور سوشلزم وغیرہ۔ ان مذاہب میں عبادات و معاشرت کے چند اصول ہیں اور بس کائنات اور خالق کائنات اور قبر و حشر کے تعلق سے کوئی تصور نہیں اور نہ نظام زندگی کا مکمل دستور حیات ہے۔

(2)-وہ مذاہب جو کائنات اور خالق کائنات کے علم کے داعی تو ہیں لیکن انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے تعلق سے خدائی اصول نہیں رکھتے بلکہ اپنے اپنے لکھے ہوئے چند قوانین حیات کو الہامی تصور کرتے ہیں بلکہ خدا اور اس کے پیغمبروں کے تعلق سے بھی ان کی معلومات شک وشبہ سے خالی نہیں ہیں۔ اس کے مذاہب میں موجودہ عیسائیت، یہودیت اور ہندوازم وغیرہ کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں۔

(3)- کائنات اور خالق کائنات اور مابعد الطبیعیات معلومات کے ساتھ انسانی زندگی کا مکمل دستور حیات ہو اور سارا نظام خدائی اصولوں پر مبنی ہو۔ اس وقت روئے زمین پر ایسا مذہب اسلام اور صرف اسلام ہے۔

اسلام کی حقانیت پر ایک اور زاویے سے ذرا غور کیجیے اس وقت دنیا میں تقریباً ایک درجن بڑے مذاہب پائے جاتے ہیں اور ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ حق ہے اور اس کے پاس حقیقت کا علم ہے لیکن صرف دعوے کی بنیاد پر آج کے شعوری دور میں کسی مذہب کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ضروری ہے کہ کسی مذہب کو قبول کرنے سے پہلے عقل و ادراک کے طے شدہ اصول پر اسے پرکھا جائے عقل و ادراک کی میزان پر جو مذہب پورا اترے اسے قبول کیا جائے اور باقی کو رد کر دیا جائے، مذاہب کی واقعیت کو تسلیم کرنے کے لیے حسب ذیل تین اصول ہو سکتے ہیں۔

(1)-اس مذہب کی کوئی تاریخی واقعیت بھی ہے یا صرف مفروضات پر مبنی ہے۔

(2)-انسانی دنیا میں علم و سائنس کا جو ارتقا ہوا ہے اس مذہب کی تعلیم اس علم کی تصدیق کرتی ہے یا تردید۔

(3)-اس مذہب کی تعلیمات میں انسانی زندگی گزارنے کے لیے مستحکم اور ہر دور کا ساتھ دینے والے اصول و ضوابط ہیں یا نہیں اور انسانی دنیا انھیں قبول کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں۔

آج انسانی دنیا میں اسلام کے سوا کوئی مذہب تاریخ کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تاریخ کا ہر پہلو آئینہ کی طرح شفاف ہے۔ اسلام کا ایک ایک کردار روز اول سے آج تک تاریخی نقد و نظر پر پورا اترتا ہے قرآن و حدیث کی شکل میں اس کی تعلیمات بھی روشن حقیقت ہیں، جن پر امتداد زمانہ کی کوئی گرد آلود تہ جمی ہے اور نہ نفسیات کا کوئی گدلا رنگ چڑھا ہے۔ اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی مقدس سیرت کا ایک ایک پہلو بھی درخشاں آفتاب کی طرح منور اور بے داغ ہے۔

اسلام کے برخلاف دیگر تمام مذاہب کی تاریخی واقعیت انتہائی مشکوک ہے بلکہ اکثر مذاہب کا کوئی تاریخی پس منظر نہیں صرف مفروضات پر ان کی بنیادیں قائم ہیں آج کے فکری اور سائنسی دور میں جنھیں بحث کے اسٹیج پر بھی نہیں لایا جا سکتا ہے۔ ہندوازم میں رام کو ایک راجا کا بیٹا بتایا گیا ہے مگر حقیقی طور پر تاریخ میں ایسے کسی راجا کے خاندان کا سراغ نہیں ملتا، اسی طرح ویدوں کو ہندوازم کی مقدس کتاب تسلیم کیا جاتا ہے مگر ویدوں کی حقیقت سے تاریخ قطعاً خاموش ہے۔ خالص تاریخی ماخذ کی بنیاد پر کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کب لکھے گئے اور ان کے لکھنے والے کون تھے۔ گوتم بدھ کون سی زبان بولتے تھے تاریخ اس کی نشان دہی کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں جو قرآن عظیم نے بتایا ہے وہی حرف آخر ہے مگر فلسطین اور شام کی تاریخ میں ان کا کچھ اتا پتا نہیں۔ حضرت مسیح کا ترجمہ کیا ہوا کچھ کلام عہد نامہ جدید (انجیل) کی صورت میں ملتا ہے مگر اس کو معتبر نہیں کہا جا سکتا، ان کے ماننے والوں کو اس کا بھی علم نہیں کہ وہ کسی زبان میں گفتگو کرتے تھے کیوں کہ اس وقت فلسطین کے علاقہ میں کئی زبانیں رائج تھیں، اسی طرح باقی مذاہب کا حال ان سے بھی زیادہ غیر معتبر ہے۔

اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ عقل و سائنس کی روشنی میں بھی یہ حقیقت مسلم ہے کہ اسلام کا پیش کردہ نظریۂ توحید ہی حق ہے اور خدائے کریم نے اپنے آخری پیغمبر محمد ﷺ پر جو کتاب ہدایت نازل فرمائی وہ حرف بہ حرف حق ہے اور انھی تینوں پر ایمان لانے اور انھیں تسلیم کرنے کا نام ایمان و اسلام ہے۔ آج پوری انسانی دنیا کی فلاح و کامرانی اور امن و شانتی اسی میں ہے کہ وہ اسلام کے دامن میں آجائے۔

-٭-٭٭٭-٭-

اسلام میں قربانی کا تصور

محسن رضا ضیائی

عیدالاضحیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے مومنوں کے لیے ایک بیش قیمتی تحفہ ہے۔ یہ ہر سال اپنی آن بان اور شان کے ساتھ بے پناہ انعامات و اکرامات لے کر وارد ہوتی ہے، اور بندوں کے اندر ایثار و قربانی اور اطاعت و فرماں برداری جیسے جذبات واحساسات پیدا کر کے رخصت ہوتی ہے۔ ساتھ میں سنتِ ابراہیمی کی یاد بھی تازہ کراتی ہے، جو آپ نے اپنے لختِ جگر نورِ نظر فرزندِ دلبند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو رضائے الٰہی کی خاطر قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔ رب تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اسے ہر سال کے لیے ہر صاحب مال پر قیامت تک کے لیے واجب وضروری قرار دے دیا۔ اس واقعے کے بعد سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر جانوروں کی قربانی پیش کرنا خاص عبادت میں شامل و داخل ہو گیا۔ اسی لیے اسے حضور ﷺ کے امتیوں کے لیے بھی باقی رکھا گیا اور اسے شعائر اسلام میں شمار کیا گیا۔ اس واقعہ کو ہوئے ہزاروں ہزار سال گزر گئے، لیکن آج تک اس کو ایک تازہ واقعے کے طور پر یاد کیا جاتا ہے، جو مسلمانوں کے اندر ایثار و قربانی، خلوص وللّٰہیت اور تقویٰ و پرہیزگاری جیسے جذبات کو جاں گزیں کر دیتا ہے۔ مسلمان سال میں ایک بار دسویں ذی الحجہ کو عیدالاضحیٰ مناتے ہیں، جس کا خاص مقصد رضائے الٰہی، سنت ابراہیمی اور تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ اسی طرح یہ عید آپسی اختلاف و انتشار کو ختم کرنے کا بھی ایک اہم پیغام دیتی ہے۔ تمام ظاہری و باطنی جرائم و معاصی سے بچنے اور ان کے انسداد کی دعوتِ فکر بھی پیش کرتی ہے۔

اگر اسے مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو دراصل یہ اپنے رب کا شکر و احسان بجالانے کی عید ہے، تکبیر و تہلیل کی گونجوں سے رب کو منانے کی عید ہے اور راہِ خدا میں اپنا مال و متاع اور جانوروں کی قربانی پیش کرنے کی عید ہے۔ اس عید کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اسے تین دنوں تک منانا مشروع ہے۔ اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کے مخصوص و مقررہ ایام میں مخصوص جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔

قربانی ایک ایسا عمل ہے جو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک مختلف طور طریقوں، فکروں اور عقیدوں کی بنیاد پر ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہر زمانے میں اسے ایک محبوب و پسندیدہ عمل سمجھا گیا اور مذہبی عبادت کے طور پر کیا گیا ہے۔ ہر مذہب و ملت میں اس کا تصور ملتا ہے۔ آج بھی دنیا کے بیشتر مذاہب میں اس کے قدیم اقدار و روایات باقی ہیں، جیسے کسی خاص موقع، یا مذہبی تہوار پر مختلف اور علاحدہ طریقوں سے عمل میں لایا جاتا ہے لیکن ان کے برخلاف اسلام میں اس کا تصور تخلیق انسانیت کے بعد سے ہی ملتا ہے، چناں چہ قرآن عظیم میں فرمایا گیا: اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی خبر جب انہوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی"۔ (پارہ 6، آیت 27)

اسی طرح قرآن عظیم اور دیگر مقامات پر "لفظِ قربان" وارد ہوا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا تصور اسلام میں بہت قدیم ہے۔

قربانی کا معنیٰ: "قربانی" یہ لفظ قرب سے بنا ہے اور عربی میں "قرب" کا معنیٰ ہے: "قریب ہونا اور نزدیک ہونا ہے۔ چوں کہ قربانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی نزدیکی طلب کی جاتی ہے اسی لیے اسے قربانی کہا جاتا ہے۔ اردو زبان میں قربانی کا معنیٰ ہے حلال ذبیحہ جس کو خاص عیدالاضحیٰ کے موقع پر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔

قربانی قربِ خداوندی کا ذریعہ: قربانی دراصل تقرب خداوندی روحِ ایمان کی تازگی اور تواضع و انکساری کا ایک مرغوب و محبوب عمل ہے، جسے کر لینے کے بعد انسان کے اندر گوناگوں ظاہری و باطنی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، جس کی بنیاد پر وہ اپنے رب کے قرب خاص میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تمام جلی و خفی معاصی و جرائم سے احتراز و اجتناب کرتے ہوئے اپنے رب کا مقرب و محبوب بن جاتا ہے۔ یوں تو انسان کو اپنے خالق و مالک کا انتہائی مقرب و محبوب بننے کے لیے بے شمار مشکل گزار گھاٹیوں، مرحلوں اور منزلوں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ ان گنت مصائب وآلام، مشکلات و صعوبات اور ابتلا وآزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اپنی ہر محبوب اور قیمتی چیزیں قربان کرنی پڑتی ہیں۔ اتنی ساری کھٹنائیوں اور مشکلوں سے گزرنے کے بعد بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب اور اپنے مقصد میں باروا ں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں جو شرعی قربانی کا اسلام میں عمل و تصور ہے وہ نہایت ہی آسان ہے، جس میں عبادت و اطاعت، محبت و فنائیت اور خلوص وللّٰہیت کا جذبہ کار فرما ہے۔ اس میں اس قدر کٹھنائیوں اور پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے، جو اور دیگر قربانیوں میں کرنا پڑتا ہے، اس میں بس تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ چناں چہ اللہ

اُستاذ، شعبۂ عربی وفارسی (دی دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ، کیمپ، پونہ، مہاراشٹر)

پاک کا ارشاد ہے: "ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمھاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے"۔
(سورہ حج، آیت 38)

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں علامہ شیخ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر "روح البیان" میں لکھتے ہیں:

"اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ قربانی کے جانوروں کے خون سے کعبہ معظمہ کو لت پت کرتے اور گوشت کے ٹکڑے بناکر کعبہ شریف کے اردگرد رکھ دیتے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے روکا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز نہیں پہنچتے، ہاں اس کے ہاں اس کی رضا پہنچتی ہے"۔

اسی طرح اللہ کے پیارے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمھارے جسموں اور نہ تمھاری صورتوں کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے، بلکہ تمھارے اعمال اور دلوں کی طرف نظرِ رحمت فرماتا ہے۔" (ریاض الصالحین)

دوسرے مقام پر حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "افضل قربانی وہ جو بہ اعتبار قیمت اعلیٰ ہو اور خوب فربہ ہو"۔

مذکورہ آیت وحدیث کی روشنی میں یہ ظاہر وعیاں ہوگیا کہ قربانی محض جانوروں کو راہ خدا میں ذبح کرنے کا نام نہیں بلکہ اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ و پرہیزگاری اور حسنِ نیت کا نام ہے۔ اگر جانوروں کو ان مذکورہ بالا فرامین پر عمل پیرا ہوکر ذبح کیا جائے تو وہ بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کی سند رکھتے ہیں۔ لیکن ان اگر ان چیزوں سے پرے ہوکر کیا جائے تو وہ محض نام ونمود، عزت وشہرت اور تصنع وریاکاری کا ایک عمل ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

قربانی کرنے کی فضیلت: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے دن انسان کے اعمال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ خون بہانا ہے اور بے شک وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور بے شک خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوجاتا ہے تو اسے دل کی بھلائی کے ساتھ کرو۔ (مشکوۃ)

ایک اور روایت میں ہے کہ: "اللہ کے پیارے رسول ﷺ سے صحابۂ کرام نے دریافت کیا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابۂ عظام نے پھر پوچھا کیا اس میں ہمارے لیے اجروثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی"۔ (ترمذی)

قربانی کے بے شمار فضائل کتبِ احادیث میں مذکور ہیں، جن سے قربانی کی فضیلت واہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کتبِ حدیث کی طرف رجوع کیا جائے، جن کا مطالعہ معلومات میں اضافے کا باعث ثابت ہوگا۔

قربانی کا وقت: قربانی کا وقت تین دن ہے۔ دسویں گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ تک، جو دسویں کی طلوع آفتاب سے شروع ہوکر بارہویں کے غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ اس میں افضل پہلا دن ہے، اس کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا دن۔ ان ایام میں کسی بھی دن قربانی کرسکتے ہیں۔

ایام تشریق وتکبیر: اسی طرح عیدالاضحیٰ کے دنوں میں کیا جانے والا عمل تکبیر تشریق بھی ہے۔ در مختار کے حوالے سے اردو مسائل میں انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھنے والی کتاب "بہار شریعت" میں "تنویرالابصار" کے حوالے سے ہے: نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز فرض پنج گانہ کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی، ایک بار تکبیر بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور تین بار افضل اسے تکبیر تشریق کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمْد (تنویر الابصار، کتاب الصلوۃ، باب العیدین، ج3، ص71)

قربانی کے ایام میں ضرورت مندوں کا خیال رکھنا:

عیدالاضحیٰ بار بار ہمیں اس جانب متوجہ کراتی ہے کہ اپنے ان خوشیوں کے ایام میں غریبوں، فقیروں، مسکینوں، یتیموں، پڑوسیوں، ہمسائیوں اور رشتہ داروں کا بھی خوب خیال رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس خوشی سے محروم رہ جائیں، لہٰذا اپنی ان خوشیوں میں انہیں بھی برابر کا شریک کریں۔ اسی لیے علمائے کرام نے بعض آثار کی بنیاد پر یہ فرمایا ہے کہ :اگر گوشت کے تین حصے کرلیے جائیں تو بہتر ہے۔ ایک حصہ اپنے لیے، دوسرا رشتہ داروں کے لیے اور تیرا حصہ غربا و مساکین کے لیے۔

آج کل ہمارے سماج میں یہ رواج عام ہوگیا ہے کہ قربانی کے گوشت کی خوب ذخیرہ اندوزی کی جاتی ہے، اور کئی کئی دنوں تک فریج میں رکھ کر اسے کھایا جاتا ہے۔ حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ پہلے معاشرے کے غربا و فقرا کے درمیان گوشت تقسیم کریں پھر جو بچ رہا ہے، اسے اپنے لیے رکھ چھوڑیں۔ یقیناً ہمارے اس طرح کے نیک عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی حاصل ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ ضرورت مندوں کی دل جوئی بھی ہوجائے گی۔ لہٰذا عیدالاضحیٰ کے ایام میں غربا و فقرا کا خیال رکھیں، اپنے جانوروں کی قربانی کے گوشت سے ان کی مدد کریں۔ یاد رکھیں کہ حدیث پاک میں غریبوں اور فقیروں کی حاجت روائی کرنے کو جہاد اور عبادت قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ (باقی ص:20 پر)

تجزیہ

تنظیم، تحریک اور احتجاجات

تحریکی ناکامیوں پر علامہ ارشد القادری کا تجزیاتی نقطۂ نظر

بلال احمد نظامی مندسوری

گذشتہ چند دہائیوں سے بھارتی مسلمانوں میں تنظیمی اور تحریکی شعور بیدار ہوا ہے، اور ملک کے کونے کونے میں مختلف تنظیمیں اور تحریکیں وجود پذیر ہوئی ہیں۔ ان کی خوبیاں بھی ہیں اور کچھ خامیاں بھی۔ ظاہر سی بات ہے حضرت انسان جب خوبیوں اور خامیوں کا پتلا ہے تو اس کی تشکیل کردہ تنظیمیں اس سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتیں۔ خوبیوں اور خامیوں سے قطع نظر ان کی ترجیحات کی بات کریں تو ترجیحات کے غلط تعین میں تحریکات نے بھی کچھ نہ کچھ اپنا حصہ ڈالا ہے۔ ساتھ میں "بھیڑ چال" پر بھی عمل کرنے میں کسی سے پیچھے رہنا گوارہ نہیں کیا ہے۔

تنظیم وتحریک کی ناکامیوں کا تجزیہ کرنے پر بہت سے اسباب سامنے آئیں گے۔ یہاں سب کا احاطہ کرنا مقصد نہیں بل کہ صرف ترجیحات اور اس سے متعلقہ معاملات کو سپرد قرطاس کرنے کی کوشش کی ہے۔

علاقائی سطح پر جذبات کی رو میں چند تنظیمیں وجود پذیر ہوتی ہیں، جوش، امنگ اور جذبات کے زیر اثر تنظیمی اغراض ومقاصد کا ایک پمفلٹ تیار ہوتا ہے، تخلیقی کاوش سے زیادہ دیگر تنظیموں کی تقلید اور ان کے اغراض ومقاصد کو اپنے ایجنڈے اور پمفلٹ میں شامل کیا جاتا ہے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے نقل کردہ اغراض و مقاصد محض کاغذ کے ٹکڑوں پر سجے سنورے منہ چڑھاتے رہتے ہیں۔

ایک ہی علاقے میں چند تنظیمیں ہیں چند ہی کے اغراض و مقاصد مشترک ہیں۔ نہ کوئی ترجیحی مقصد اور نہ کوئی منصوبہ سازی۔ بعد ازاں ہوتا یہ ہے کہ 10-12 مقاصد میں سے کسی ایک پر بھی عمل درآمد نہیں ہوتا، صرف سال میں چند میٹنگیں کرتے ہیں اور ایک سالانہ جلسہ کرکے خوش فہمی کی دنیا میں بسیرا ڈال کر سمجھتے ہیں کہ نصف دنیا کو فتح کر لیا۔

دوسری جانب توجہ کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ایک تنظیم غربا کے لیے راشن کٹ کا اہتمام کر رہی ہے تو دوسری اور تیسری تنظیم بھی اسی کام میں لگ جائے گی۔ نیشنل تنظیموں کے مقصدی ایجنڈے میں 25-30 اغراض ومقاصد ہوتے ہیں۔ لیکن کام شاید چند ایک پر ہی بہ مشکل ہوتا ہے۔ کسی ایک تنظیم نے اپنے لیے اگر کسی میدان عمل کا انتخاب کرکے جدوجہد اور کاوشیں کرکے کچھ نہ کچھ کامیابی سے ہم کنار ہوئی ہے تو دیگر تنظیمیں بھی اسی جانب پیش رفت کرے گی تاکہ وہ بھی جلد از جلد کامیاب ہو جائے۔

لیکن کامیابی ملے یا نہ ملے البتہ تضیع وقت اور تضیع مال کا تمغہ ضرور ملے گا جس کے لیے جواب دہ ہونا لازمی ہے۔

بہت سی تنظیمیں ایسی بھی ہیں جن کا کسی گلی یا کاغذ کے ٹکڑے کے سوا کہیں وجود نہیں ہوتا لیکن ان کے نام "آل انڈیا اور انٹرنیشنل" ہوتے ہیں۔ گویا انھیں ملی درد اور بقائے ملت کے لیے کوشاں رہنے سے زیادہ اپنے نام کے ساتھ "آل انڈیا" یا "انٹرنیشنل" تنظیم کے لاحقے لگانے کا عجیب وغریب شوق چڑھ آیا ہے جس کی تکمیل گلی محلے کی "آل انڈیا" تنظیموں سے ہوتی ہے۔

اس کا ایک نقصان یہ ہے کہ ایسے افراد دیگر تحریکوں وتنظیموں کے کاموں میں بھی رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں نیز ملی وجماعتی انتشار کا سبب بن کر لاشعوری طور پر ملت کو زک ونقصان پہنچانے کا کام کرتے ہیں۔

تنظیموں کی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے مقاصد وعزائم ترجیحی بنیادوں پر نہیں ہوتے ہیں اور نہ عوام کو دینے کے لیے ان کے پاس کوئی واضح مقصد ہوتا ہے۔

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری ناکامیِ تنظیم کے سبب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ماضی میں اہل سنت کی بہت سی تنظیمیں صرف اس لیے بے اثر ہو کر رہ گئیں کہ ہمارے پاس عوام کو مصروف رکھنے کے لیے کوئی آسان، مختصر اور پرکشش لائحہ عمل نہیں تھا"۔ (شعور وآگہی، ص234)

مسلمانان ناگپور کی طرف سے بنام اہل سنت ایک اپیل نامہ رقم کرتے ہوئے قائد اہل سنت لکھتے ہیں:

"ہم صرف اس لیے پامال ہوتے رہے کہ نہ ہمارا کوئی جماعتی نظام ہے اور نہ کوئی تنظیمی مرکز۔ ہم جہاں بھی ہیں، بکھرے ہوئے ہیں، الگ الگ اکائیوں میں ہیں، ہمارے ہر ذی اثر شخصیت کی خود اپنی ایک آل انڈیا جماعت ہے، جو چند افراد کے ایک گروپ میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ نہ ملک میں اس کی ضلعی اور ریاستی شاخیں ہیں اور نہ ملک گیر پیمانے کا کوئی مرکزی دفتر۔ ان حالات میں ہم سنی عوام کے لیے سب سے

پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ ہم اہل سنت کی نام نہاد آل انڈیا تنظیموں میں سے کس تنظیم کو اپنی نمائندہ تنظیم قرار دیں اور کسے اپنا حریف سمجھیں، کیونکہ ان تنظیموں کے پیچھے جتنے بھی قائدین ہیں، وہ سارے کے سارے ہمارے مذہبی رہنماؤں کی صف میں ہیں"۔(شعور وآگہی،168)

قائد اہل سنت کے زمانے میں تنظیمی حالات اس قدر ناگفتہ بہ تھے تو یقین جانیے آج کے حالات اس سے بھی کہیں زیادہ خراب ہیں۔

اہل سنت وجماعت نے تنظیمی وتحریکی سطح پر ایک سنہرا دور "جماعت رضائے مصطفی" کی شکل میں دیکھا جس نے ضلعی وریاستی سطح پر اپنی شاخیں قائم کرکے جماعتی، ملی، دینی اور سیاسی سطح پر قابل فخر اور نمایاں کارنامے انجام دیے۔

اس وقت دیگر تنظیمیں بھی اپنا وجود رکھتی تھیں لیکن وہ سب "جماعت رضائے مصطفی" کے بینر تلے کام کرتی تھیں۔ علامہ سید اسرار الحق صاحب، حضور مجاہد دوراں علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی اور قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہم الرحمہ کی "آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ" (جس نے دینی، ملی اور سیاسی محاذ پر کارہائے نمایاں انجام دیے) یہ تنظیم بھی "جماعت رضائے مصطفی" کے بینر تلے کام کرتی تھی۔ حضور سید العلما ودیگر علمائے ممبئی کی تنظیم "آل انڈیا سنی جمیعۃ العلما" نے بھی جماعت رضائے مصطفی کے اشتراک اور بینر تلے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

اسی طرح دیگر جملہ اکابرین واصاغرین اہل سنت جماعت رضائے مصطفی کے بینر تلے خوش دلی سے کام کرتے تھے۔ لیکن جب سے جماعتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر ذاتی اور گروہی مفادات پیش نظر رہنے لگے، جماعتی ترجیحات سے زیادہ اپنی ذات کو ترجیح دی جانے لگی تب سے ہماری جماعت انتشار در انتشار اور ناکامی کا شکار ہوتی گئی۔

درج ذیل نکات پر عمل کرکے تحریک وتنظیم کو کارآمد اور کامیاب بنایا جاسکتا ہے۔

1۔ علاقائی تنظیم وتحریک کے ذمہ داران کو چاہیے کہ علاقائی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند ایک مقاصد کو ترجیحی بنیادوں پر اپنے لائحہ عمل میں شامل کریں اور پھر اس پر کام کریں۔

اگر علاقے میں پہلے سے کوئی تنظیم کسی میدان میں سرگرم عمل ہے تو اس میدان کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اسی تنظیم کا تعاون کریں، اپنی تنظیم کے لیے کسی دوسرے میدان عمل کا انتخاب کریں۔

2۔ تمام تنظیمیں اپنا اپنا دائرہ کار ایک دوسرے سے مختلف رکھیں اور باہم تعاون کرکے ملی امور میں مؤثر کردار ادا کریں۔

3۔ نیشنل لیول کی تنظیمیں بھی مذکورہ فارمولے پر عمل کرکے تضیع اوقات اور تضیع مال سے بچ سکتی ہیں۔

4۔ ملکی، ریاستی، ضلعی سطح کی ایک ایک تنظیمیں ہونا چاہیے جو باہم مربوط ہوکر کام کریں۔

5۔ اگر یہ مشکل ہو تو تمام تنظیمیں ایک جگہ جمع ہوکر ذہنی اور فکری ہم آہنگی کے ساتھ صلاح ومشورہ کریں اور اپنے لیے الگ الگ میدان عمل کا انتخاب کریں۔ یقینا اس سے ایک صالح انقلاب کی توقع کی جاسکتی ہے۔

6۔ ایک مرکزی تنظیم ہو جو تمام تنظیموں کی نگرانی کرے اور ان کی رہنمائی ورہبری کرسکے، بہ وقت ضرورت تمام تنظیمیں مرکزی تنظیم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے میدان عمل میں نکل آئیں۔

7۔ ذاتی، گروہی مفادات اور رشتے ناطے سے بالاتر ہوکر محض جماعتی استحکام اور مفادات کے پیش نظر کام کیا جائے اور باصلاحیت افراد کو تنظیم کی باگ ڈور دی جائے۔

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری تنظیمی سطح پر مستقبل کی منصوبہ بندی اور قائدین سے اپیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس لیے اپنے مذہبی اور سیاسی مستقبل کے تحفظ کے لیے اب ہمارے سامنے سوا اس کے اور کوئی صورت نہیں رہ گئی ہے کہ ہم اہل سنت کی ساری تنظیموں کے قائدین سے مودبانہ درخواست کریں کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنے گروہی مفادات سے بالاتر ہوکر صرف اہل سنت کے جماعتی مفاد کو سامنے رکھیں اور اپنی نام نہاد ساری آل انڈیا تنظیموں کو توڑ کر کسی بھی ایک پرانی یا نئی تنظیم پر متحد ہوجائیں۔ اور اس کے بعد کشمیر کی وادی سے لے کر مدراس کے ساحل تک اور کاٹھیاواڑ کے سمندر سے لے کر برما کی سرحد تک ہندوستان کے دس کروڑ سنی بریلوی مسلمانوں کو ایک پرچم کے نیچے جمع کردیں۔ علاقائی ضلعی، ریاستی اور ملکی سطح پر ہر جگہ صرف ایک ہی تنظیم کا دفتر قائم کیا جائے، ایک ہی تنظیم کا پرچم لہرایا جائے اور ملک کے سارے سنی عوام کو ایک ہی تنظیم کا نعرہ دیا جائے۔

اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں ہماری مسجدوں، ہماری درس گاہوں اور ہمارے اداروں کو غیر یقینی مستقبل کا سامنہ کرنے سے کوئی مصنوعی تدبیر نہیں بچا سکتی۔(شعور وآگہی،168)

یقینا قائد اہل سنت کی دوراندیش نگاہیں حالات کو دیکھ رہی تھیں، بایں وجہ آپ نے درد دل کو سپرد قرطاس کرتے ہوئے مستقبل کی بارہا منصوبہ بندی کی، حالات ونتائج سے آگاہ کیا، لیکن گروہی مفادات اور مشربی عصبیت نے اپنے ذاتی اور مشربی مفاد کو ملی وجماعتی مفادات پر ترجیح دی جس کے نتائج آج خطرناک صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

☆☆☆☆

ذکرِ جمیل

ام المومنین
سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما

محمد اعظم مصباحی مبارک پوری

نام ونسب:

آپ رضی اللہ عنہا کا نام حفصہ تھا۔ سلسلہ نسب یوں ہے حفصہ بنت عمر بن خطّاب بن نُفیل بن عبد العزّیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرطہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لُوَیْ۔ آپ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں عدی کے ساتھ جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے مل جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت زینب بن مظعون رضی اللہ عنہا ہیں جو جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

ولادت:

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے تقریباً 5 سال قبل پیدا ہوئیں۔

نکاح: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہجرت سے پہلے نکاح حضرت خنیس بن حذافہ سہمی نامی صحابی سے ہوا تھا اور ان ہی کے ساتھ انہوں نے مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ حضرت خنیس غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور راجح قول کے مطابق بدر ہی میں ان کے کاری زخم آئے جن سے وہ جانبر نہیں ہو سکے تھے۔ اور کچھ ہی عرصہ کے بعد ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ حضرت خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر کو اپنی بیٹی کی فکر ہوئی۔ یہ غزوہ بدر کے بعد کا زمانہ ہے۔ اسی موقع پر حضرت عثمان کی اہلیہ اور رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عمر نے حضرت عثمان سے حضرت حفصہ کے نکاح کی پیشکش کی۔ انہوں نے غور کرنے کے لیے کچھ وقت مانگا۔ اور چند دن کے بعد معذرت کر دی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے یہی پیش کش کی، مگر انہوں نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے ان کی خاموشی حضرت عثمان سے زیادہ ناگواری گزری، اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کے لیے پیام دیا، اور جب یہ نکاح ہو گیا تب حضرت ابو بکر حضرت عمر سے ملے اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ سے نکاح کی خواہش کی تھی، اور میں خاموش تھا تو تم اس سے رنجیدہ ہوئے تھے۔ اصل میں قصہ یہ ہے کہ مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا ارادہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لینے کا ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے تمہاری پیشکش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، میں یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بات ابھی راز میں رکھی تھی، میں اس کو ظاہر کر دوں۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارادہ میرے علم میں نہ ہوتا تو میں ضرور تمہاری پیش کش قبول کر لیتا۔ یہ ساری تفصیلات صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت حفصہ کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہیں۔

روایت حدیث:

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ساٹھ حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے پانچ حدیثیں بخاری شریف میں مذکور ہیں باقی احادیث دوسری کتب حدیث میں درج ہیں۔

علم حدیث میں بہت سے صحابہ اور تابعین ان کے شاگردوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں جن میں خود ان کے بھائی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشہور ہیں۔

فضل وکمال:

حضرت حفصہ حفصہ رضی اللہ عنہا بلند ہمت اور سخاوت شعار خاتون ہیں۔ حق گوئی حاضر جوابی اور فہم و فراست میں اپنے والد بزرگوار کا مزاج پایا تھا۔ اکثر روزہ سے رہا کرتی تھیں اور تلاوت قرآن مجید اور دوسری قسم کی عبادتوں میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ ان کے مزاج میں کچھ سختی تھی اسی لیے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں ان کی کسی سخت کلامی سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے حفصہ! تم کو جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے طلب کر لیا کرو، خبردار کبھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا تقاضانہ کرنا، نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کبھی دل آزاری کرنا ورنہ یاد رکھو کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم سے ناراض ہوگئے تو تم خدا کے غضب میں گرفتار ہو جاؤ گی۔ کثرت صوم وصلوۃ کی پابند تھیں۔ ابن سعد نے ان کی عبادت کے متعلق لکھا ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا صائم النہار اور قائم اللیل تھیں۔ دوسری روایت میں ہے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا انتقال کے وقت تک صائمہ تھیں۔ گوشہ نشینی اور پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ اشد ضرورت کے بغیر کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ زیادہ وقت عبادت میں گزارتیں، اگرچہ اس زمانے میں جب آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں داخل ہوئیں، بالکل جوان تھیں مگر آپ رضی اللہ عنہا میں بزرگوں جیسی سنجیدگی اور وقار تھا۔ زیادہ وقت تلاوت قرآن پاک میں صرف کرتیں اور آپ اس کی باریکیوں کو سمجھتیں، ان پر غور فرماتیں اور جو نقطہ سمجھ میں نہ آتا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت طلب کرتیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سخاوت کی دولت سے بھی مالا مال تھیں جو مال آتا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے خوشی محسوس کرتیں یہاں تک کہ اپنی جائیداد بھی وفات کے وقت اللہ عزوجل کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

حفاظتِ قرآن اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا:

قرآن پاک وقفے وقفے سے نازل ہوا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ کے دوران ہی اس بات کا اہتمام فرمادیا تھا کہ جو آیاتِ مبارکہ نازل ہوں، انھیں متعلقہ سورت میں شامل کر کے احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ دوسرے کاتبانِ وحی کے علاوہ یہ ذمہ داری سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھی سپرد تھی کیوں کہ وہ لکھنا سیکھ چکی تھیں لہٰذا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق نازل شدہ آیاتِ مبارکہ کو اپنے پاس موجود قرآنی نسخے میں درج کر لیتی تھیں۔ سیرت نگاروں کے کے مطابق رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی قرآن مجید کے تمام کتابت شدہ اجزا یکجا کرا کے اپنی زوجۂ طاہرہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیے تھے جو تا حیات ان کے پاس رہے۔

معلم حکمت و دانش حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد خلافت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کے فتنوں میں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ قرآن مجید کی حفاظت کے حوالے سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مشورہ کر کے مختلف اوراق کتابت جمع کیے اور صحیح ترین نسخہ کی حفاظت کے لیے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب ہوا۔ حضرت سیدنا عثمان غنی کے خلافت کے دور میں اسلام عرب سے نکل کر عجم تک پہنچ چکا تھا۔ عجمی مسلمانوں کے تلفظ، طرز ادائیگی اور عربی سے ناواقفیت کی بنا پر ممکن تھا کہ لاشعوری طور پر اس کے لہجے میں فرق پڑ جاتا اس لیے عہد عثمانی میں صحابہ کا ایک بورڈ اور کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے تحقیق و تصدیق سے کام لیتے ہوئے قرآن پاک باقاعدہ ایک کتابی شکل میں ترتیب دیا اور اس کام کے لیے وہی نسخہ بنیاد بنا جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ان سے وہ نسخہ لے کر اس تحقیقی بورڈ کی حتمی رائے قائم کر کے سرکاری مہر کے ساتھ مختلف نسخے تیار کر دیے گئے اور سرکاری تصدیقی مہر کے ساتھ بلادِ اسلامیہ تک پہنچا دیے گئے۔ یوں قیامت تک کے لیے اس فتنے کا بچاؤ کا بہترین انتظام ہو گیا۔ یہ اعزاز بھی اُم المومنین حضرت سیدہ حفصہ بنت سیدنا عمر فاروق زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصے میں آیا۔

وفات:

شعبان 45ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان بن حکم مدینہ کا حاکم تھا۔ اسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک ان کے جنازہ کو بھی اٹھایا پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قبر تک جنازہ کو کاندھا دیے چلتے رہے۔ ان کے دو بھائی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے تین بھتیجے حضرت سالم بن عبداللہ و حضرت عبداللہ بن عبداللہ و حضرت حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے ان کو قبر میں اتارا اور یہ جنت البقیع میں دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔ بوقت وفات ان کی عمر ساٹھ یا تریسٹھ برس کی تھی۔

☼☼☼☼☼

تعلیم کے ساتھ ہنر مند بننا لازمی

رفیقہ پلوکر (علی باغ)

برسوں پرانی بات ہے، ہمارے پڑوس میں ایک گھر تھا جو بند ہی پڑا رہتا تھا۔ ایک دن اچانک اس گھر کی کھڑکیاں، دروازے کھلے نظر آئے۔ ہماری دادی بیحد خوش ہوئیں۔ اشتیاق کے ساتھ تانک جھانک کرنے لگیں "شاید پڑوس میں کوئی نیا کرائے دار آیا ہے، صاف صفائی چل رہی ہے۔ اچھا ہے ذرا پڑوس بھی آباد ہو جائے گا، ذرا رونق ہو جائیگی۔" دادی دوسرے ہی دن خیر خیریت دریافت کرنے وہاں پہنچ گئیں۔ ہم بھی پیچھے پیچھے چل دیے، دادی نے رسمی سلام دُعا کے بعد گھر کے کونوں کھدروں پر نظریں دوڑائیں اور پوچھا، سامان کہاں ہے؟ ابھی آپ رہنے نہیں آئے۔ بات چیت سے پتا چلا کہ بطور کرائے دار آنے والا شخص پیشے کے اعتبار سے ایک ڈاکٹر ہے، ابھی اکیلے ہی گھر کا انتظام کرنے آئے ہیں بعد میں جاکر اپنی بیوی کو لے کر آئیں گے۔ لیکن تمام تر سامان وہ لا چکے تھے جو کہ پترے کی ایک بیٹی، چٹائی، ایک کیروسین پر جلنے والا اسٹو، چند ایک برتنوں، دو کھانا کھانے کی پلیٹوں اور دو پیالوں پر مشتمل تھا۔ بس یہ ہی تھا اُن کا کل اثاثہ!

اُن کا یہ حال دیکھ کر دادی کا سینہ چھلنی چھلنی ہو گیا۔ دادی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ انہیں اپنے ہی گھر میں مہمان بنائے رکھتیں۔ ایسا سمجھیں دادی دل ہی دل میں انہیں اپنا بیٹا تسلیم کر چکی تھیں۔

پھر گزرتے وقت کے ساتھ وہ دونوں میاں بیوی پڑوسی کم اور گھر کے افراد کی ہی حیثیت اختیار کرتے چلے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک دن دادی کو بتایا کہ وہ پانچ بھائی اور دو بہنیں کل ملا کر اپنے والدین کی سات اولادیں تھیں۔ اُن کا سانگلی میں ایک چھوٹا سا گھر ہے جو سارے کا سارا ٹین سے بنا ہوا ہے۔ اسی سے متّصل اُن کے والد کا ایک گیراج ہے۔ اُن کے والدین نے کڑی محنت کر کے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی، چار بھائی ڈاکٹر بنے، دونوں بہنیں ٹیچر بنیں، والدین نے انہیں سہولیات و آسائشیں نہیں دیں لیکن پائی پائی جوڑ کر انہیں زیور تعلیم سے آراستہ کر کے شاہراہ حیات پر گامزن کر دیا کہ "جاؤ! اپنا جہاں آپ پیدا کرو"۔

وقت گزرتا گیا، انہوں نے بھی اپنی محنت اور لگن سے گاؤں میں اپنا ایک نام اور پہچان بنائی۔ گھر کے حالات بھی سنورتے چلے گئے۔ اُن کے گھر کا نقشہ مجھے سمجھ آنے تک اچھا خاصا بدل چکا تھا۔ اب وہ ایک آرام دہ زندگی گزارنے لگے تھے۔ اُن کے دونوں بچے بھی بہت ذہین تھے۔

ڈاکٹر صاحب اور اُن کی اہلیہ بذات خود اپنے بچوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ ہمارا جب بھی ڈاکٹر صاحب سے سامنا ہوتا تھا وہ ہم سے ہمارے امتحانات اور پھر اُن کے نتائج کے بارے میں ضرور استفسار کیا کرتے تھے۔ اپنے مریضوں سے اکثر کہا کرتے تھے کہ پیٹ پر پتھر باندھنا پڑے تو باندھ لینا لیکن اپنے بچوں کو تعلیم یا کوئی ہنر ضرور دلانا۔ بچوں کو محنت کا عادی بنانا۔ دانہ خاک میں مل کر ہی گل گلزار ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ان باتوں کے برعکس آج اگر دیکھا جائے تو والدین اپنے بچوں کی ہر خواہش پوری کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔ اُن کے مہنگے مہنگے شوق پورے کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں جیسے کہ مہنگا موبائل فون، مہنگی سے مہنگی موٹر سائیکل کی فراہمی، ہوٹلنگ وغیرہ۔

بچے کی ایسی کوئی خواہش، کوئی آرزو ادھوری رکھتے ہی نہیں ہیں جسے وہ اپنی محنت کے بل بوتے پر حاصل کرنا چاہے! جب کہ انھیں اپنا شکار خود مار کر کھانے کا عادی بنانا چاہیے۔ تعلیم اور ہنر دینا لازمی ہے باقی سب آپ ہی آپ آجائے گا، مقابلے کے اس دور میں حصول معاش آسان کام نہیں ہے۔ پہلے کے زمانے میں اسکولی تعلیم پوری ہونے تک نائی کا بیٹا نائی بنتا تھا، سنار کا بیٹا سنار ہوتا تھا، جولاہے کا بیٹا جولاہا، کسان کا بیٹا کسان! بیروزگاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کوئی بھی پیشہ چھوٹا بڑا نہیں ہوتا، جب تک نوکری نہیں مل جاتی تھی بچے آبائی پیشہ اختیار کر چکے ہوتے تھے۔ اب حالات مختلف ہیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی کئی بچے نوکری حاصل کرنے کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ متوقع نوکری کے حصول یابی تک گھر کی گاڑی چلانے کے لیے اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر حاصل کیا جائے تو کام آئے گا اور ان شاء اللہ روزگار کا مسئلہ بڑی حد تک ختم ہو گا۔ ◎◎◎

نقطۂ نظر

صحت پر موبائل فون کے مضر اثرات

سمیہ عامر خان

گزرتے وقت کے ساتھ بنی نوع انسان نے ترقی کے کئی زینے طے کیے۔ اس کی ترقی کا منہ بولتا ثبوت انٹرنیٹ ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جدید دور تکنالوجی کا دور ہے۔ اسکول سے لے کر ملازمت تک، تفریح سے لے کر آرام تک، آج ہر چیز کے لیے ہم ڈجیٹل دور پر منحصر ہو گئے ہیں۔ اسی جدید دور کی ایجاد ڈجیٹل اسکرین ہے۔ پہلے پہل بچوں کی رسائی کمپیوٹر اور ٹیلی ویژن تک تھی پھر دھیرے دھیرے ان کی جگہ موبائل نے اختیار کر لی۔ موبائل اور انٹرنیٹ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ یہ جدید دور کی اہم ضرورت ہے۔ اس کا استعمال زندگی کے ہر شعبے کے لیے انتہائی اہم ہے۔ لیکن ماہرین کے مطابق، جسم اور دماغ کو صحت مند رکھنے کے لیے کبھی اس سے دوری اختیار کرنا ضروری ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق، جدید تکنالوجی کا ہماری صحت سے گہرا رشتہ ہے۔ یہ ہماری صلاحیت، نیند اور ذہنی نشو نما پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔

پہلے پہل موبائل کسی سے بات چیت کرنے یا پیغام بھیجنے کی حد تک استعمال ہوتا تھا لیکن آہستہ آہستہ موبائل نے کمپیوٹر کی جگہ لے لی۔ موبائل فون کے بے شمار فائدے ہیں۔ جہاں اس کی بدولت آپ نہ صرف میلوں دور بیٹھے عزیزوں کی خیریت معلوم کر سکتے ہیں۔ موبائل کی اسکرین پر انگلیاں ٹچ کرنے سے لمحوں میں ہی دنیا جہان کی معلومات دستیاب ہو جاتی ہیں۔ اس جادوئی ڈبے کی بدولت پوری دنیا کی کاروباری معلومات، موسمی کیفیات کے ساتھ ساتھ شیئر مارکیٹ کا حال معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ طالب علموں کو پڑھائی میں مدد ملتی ہے۔ اسی طرح موبائل میں موجود بلیوٹوتھ سافٹ ویئر کے ذریعہ کووڈ-19 ء کے دوران یہ پتا لگانے کا نظام بنایا گیا کہ ہم کب متاثرہ افراد کے قریب تھے، اور اس وقت ہمیں یہ موبائل فون ایک خوفناک ”پنگ“ کی آواز سے خبردار کرتا ہے۔ اسی طرح اس میں ایک Touch based, اور Haptic Nav جیسی نیوی گیشنل خصوصیات بھی تخلیق کی گئی ہیں جو گوگل میپس کی بہ نسبت کم معروف ہیں لیکن یہ نابینا افراد کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ تحقیق کاروں نے زیادہ تر جدید اسمارٹ فونز کے اندر وائبریشن کی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے گوگل میپس کے جیسے ایسے ڈجیٹل نقشے تیار کیے ہیں جن پر ایسے Texture بن جاتے ہیں جنھیں نابینا افراد اپنی انگلیوں سے محسوس کر سکتے اور اپنے ماحول کے مطابق راستوں کو سمجھ سکتے ہیں۔

غرض یہ کہ موبائل نئے دور کی ایک ضرورت ہے۔ اور ضرورت کے آگے انسان بے بس ہے۔ کوئی چیز ضرورت بن جائے تو اس کے بغیر گزارا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ تیز رفتار زندگی موبائل فون کے بغیر ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے مانا کہ موبائل فون کی وجہ سے آسانیاں پیدا ہوئی ہے ہیں۔ لیکن جہاں یہ سہولیات کا دریچہ ہے وہاں یہ مشکلات اور مسائل کا منبع بھی ہے۔ جہاں مہینوں کا کام منٹوں میں حل ہو جاتا ہے وہیں اس نے نیند، چین، سکون اور آرام کا خاتمہ کیا ہے۔ جہاں میلوں دور سے کسی عزیز کے لیے رابطہ کی کنجی ہے تو وہی اس نے شرم و حیا اور عزت و وقار کا جنازہ اٹھایا ہے۔ جہاں وقت کی بچت ہوتی ہے وہیں یہ وقت کی بے قدری کا سامان ہے۔ اخلاقی اور تہذیبی قدروں کو اس نے پامال کیا ہے، یہ بے حیائی کے کاموں کا اڈہ ہے۔ جہاں یہ تجارتی ترقی کا ذریعہ ہے وہیں اخلاقی پستی کا ذریعہ بھی ہے۔

جدید دور میں موبائل فون جہاں بنیادی ضرورت ہے تو وہیں یہ بدنامی، ذلت اور رسوائی کی گہری کھائی ہے۔ جہاں یہ ہمیں ترقی کی منازل طے کرواتا ہے وہیں جب ہم اس کے جال میں پھنس جائیں تو یہ ہماری گراوٹ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کیا ہم میں سے کبھی کسی سوچا ہوگا کہ 1973ء میں جوئل اینجل کا پہلا خاکستری باکس یعنی ایک ایسا آلہ جسے آپ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر ہر جگہ گھوم سکتے ہیں۔ ایسی تاریخ رقم کرے گا!

سائنس و ٹیکنالوجی کے عروج کے ساتھ انسان کا اخلاقی معیار گھٹتا جارہا ہے۔ موبائل کا لامحدود استعمال کئی سماجی و ثقافتی برائیوں کا سبب بنا ہے۔ اس کی بدولت ہم زندگی کی فطری اور حقیقی خوشیوں سے بہت دور صرف تنہائی کا شکار ہو کر اسکرین پر محبتیں اور رشتے ڈھونڈتے رہ گئے ہیں۔ ہم گھر میں ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن گئے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی چیز بذات خود بری نہیں ہوتی مگر اس چیز کا غلط وقت، غلط جگہ پر غلط استعمال اسے برا بنا دیتا ہے مگر بعض چیزوں میں برائی کا اثر اتنا راسخ ہوتا ہے کہ ان میں ہمارے لیے اچھائی بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔

عید الاضحیٰ اور ہماری ذمہ داریاں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

جولائی 2023 کا عنوان — مسلم لڑکیاں اور غیر مسلموں سے شادیاں-ایک اصلاحی جائزہ

اگست 2023 کا عنوان — شاعروں اور مقرروں کا متعین اوقات کی اجرت طے کرنا— شرعی نقطۂ نظر

عید قرباں اور ہماری ذمہ داریاں

از: مفتی محمد ساجد رضا مصباحی

عید قرباں امت مسلمہ کا بڑا عظیم اور بابرکت تہوار ہے، قربانی کا بنیادی فلسفہ ایثار، خلوص اور اللہ کی راہ میں اپنی عزیز ترین چیز نچھاور کردینا ہے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی اس بات کو یاد دلاتی ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے جانوروں کو جب ہم اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہیں تو اپنے اس عقیدے کو تازہ کرلیتے ہیں کہ ہماری جان اور ہمارا مال سب کچھ ہمارے رب تعالیٰ کا ہے، وقت آنے پر ہم اپنی ہر چیز اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہیں گے۔

”عید اضحیٰ“ اسوۂ ابراہیمی کی ایک عظیم یادگار بھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ عید الاضحیٰ جہاں رضائے الٰہی کے لیے قربانی کا جانور ذبح کرکے سنت ابراہیمی کے ادا کرنے کا نام ہے وہیں اس سے ہمیں ایثار، امن و سلامتی، عفو و درگزر اور جاں سوزی و جاں نثاری کا پیغام حاصل بھی ملتا ہے۔

عید قرباں ہمیں محبت، بھائی چارہ، ایثار و اخوت کا لازوال پیغام دیتا ہے۔ اس مبارک دن میں ہمیں غریب، بے سہارا اور مستحق لوگوں کی بھرپور امداد کرنی چاہیے۔ مصائب و مشکلات میں گھرے اسلامی بھائی، غربا و مساکین، اور مستحقین کی حاجت روائی اور ان کی ضرورتوں کو اس دن پورا کرکے ان کے درمیان گوشت تقسیم کرکے ان کے چہروں پر مسکراہٹیں لائی جا سکتی ہیں، یہ عید ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ دوسرے ضرورت مندوں کی خوشیوں پر اپنی خوشیوں کو قربان کرتے ہوئے ان کے لیے کچھ ایسا کیا جائے کہ وہ خوش ہو سکیں کیوں کہ اپنی خواہشوں پر ضرورت مندوں اور محتاجوں کی خواہشوں کو مقدم کرنا بھی ایک طرح کی قربانی ہے، لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنے نفس کے درندے کو حقیقی جانور سے پہلے قربان کر چکا ہو۔

عید قرباں ایک عظیم اسلامی تہوار بھی اور ایک عظیم عبادت بھی، اس تہوار میں بے شمار سماجی و معاشرتی پیغامات بھی پنہاں ہیں، اس عبادت کی ادائیگی کے حوالے سے ہم پر متعدّد شرعی و دینی اور سماجی و معاشرتی ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، جن کا بجا لانا اور ان کی رعایت انتہائی ضروری ہے۔

قربانی محض رضائے الٰہی کے لیے ہونی چاہیے، کسی طرح کی نمود و نمائش اور ریاکاری اس عبادت کے برکات و حسنات کو زائل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ضحى طيبة نفسه محتسبا لاضحية كانت له حجابا من نار .

ترجمہ: جس نے خوش دلی کے ساتھ ثواب کی نیت سے قربانی کی تو وہ قربانی اس کے لیے آگ سے حجاب بن جائے گا۔

[الترغیب والترہیب، ج:2، ص:155]

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ [الحج/37]

اللہ تعالیٰ تک قربانی کے ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے، اس کی بارگاہ میں تو تمھارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔

قربانی کا جانور تندرست وتوانا، فربہ اور عیوب ونقائص سے پاک ہونا چاہیے، آج عام طور پر قربانی کا جانور خریدتے وقت ہم ان باتوں کو خیال نہیں رکھتے، بعض مسلمان صرف کسی بھی طرح کا جانور خرید کر اس رسم کو ظاہری طور پر ادا کر لینا ہی کافی سمجھتے ہیں، حالاں کہ قربانی صرف گوشت خوری کے لیے جانور ذبح کر لینے کا نام نہیں بلکہ وہ ایک عبادت ہے، جس کے لیے شریعت مطہرہ نے دیگر عبادات کی طرح احکام وقوانین مقرر فرمائے ہیں جن کی پاس داری ہر حال میں لازم ہے، خاص طور بڑے جانور کی قربانی جس میں کئی افراد شریک ہوتے ان کے ضروری مسائل کا جاننا اور ان پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ شرکت والی قربانی میں اخلاص قلب اور گوشت کی تقسیم کے حوالے سے شریعت مطہرہ نے جو احکام عطا فرمائے وہ بہت اہم اور توجہ طلب ہیں۔

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”ان [شرکاے قربانی] میں سے ایک شخص کا مقصود قربانی نہیں بلکہ گوشت حاصل کرنا ہے تو کسی کی قربانی نہ ہوئی۔“

[بہار شریعت، حصہ 5، قربانی کا بیان]

قربانی کے جانور کے گوشت کی تقسیم کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اگر شرکت میں گائے [بڑے جانور] کی قُربانی کی تو ضَروری ہے کہ گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے، اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں، کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ بخوشی ایک دوسرے کو کم زیادہ معاف کر دینا کافی نہیں۔ [مُلخّص از بہارِ شریعت ج3 ص335] ہاں اگر سب ایک ہی گھر میں رہتے ہیں کہ مل کر ہی بانٹیں گے اور کھائیں گے یا شُرَکاء اپنا اپنا حصّہ لینا نہیں چاہتے، ایسی صورت میں وَزْن کرنے کی حاجت نہیں۔

قربانی کے جانور کو اسلامی طریقے پر ذبح کرنا چاہیے اور اس سلسلے میں شریعت کے احکام کو پیش نظر رکھنا چاہیے، قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا افضل ہے، ورنہ کسی دوسرے مسلمان سے بھی کرادے تو ہو جائے گی، ہمارے ملک میں عام طور پر بڑے جانور کو قصاب کے یہاں ذبح کرایا جاتا ہے، جو حد درجہ غیر محتاط ہوتے ہیں، ذبح کے فوراً بعد جب کہ جانور تڑپ رہا ہوتا ہے اور وہ چمڑا نکالنا شروع کر دیتے ہیں، حالاں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے:

حضرت بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے سانس بند ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنے اور گوشت بنانے سے منع فرمایا۔

[سنن ابوداؤد، ج:2، ص:34]

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”ذبح کے بعد جب تک جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے اور اس کے تمام اعضا سے روح نہ نکل جائے اس وقت تک اس کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹیں اور نہ چمڑہ اتاریں۔“ [بہار شریعت، حصہ 5، قربانی کا بیان]

بعض علاقوں میں قربانی کرنے والے قصاب کو جانور کا سرا وغیرہ بطور اجرت دے دیتے ہیں، شرعا یہ درست نہیں ہے، ہدایہ میں ہے:

ولا یعطی اجر الجزار من الاضحیة شیئا ..... والنهی عنه نهی عن البیع ایضا لانه فی معنی البیع۔ [ہدایہ، ج:2، ص:434، کتاب الاضحیۃ]

یعنی قربانی کے جانور میں سے کوئی بھی چیز قصاب کو اجرت کے طور پر نہیں دی جا سکتی... اس لیے کہ اس کو اجرت کے طور پر دینا بھی بیچنے کے مترادف ہے، اور جانور کے کسی جز کو بیچنا منع ہے۔ ہاں اگر یہ چیزیں بطور اجرت نہیں بلکہ بطور تحفہ دے تو دے سکتا ہے۔

عید قرباں کے موقع پر مسلمانوں کی ذمے داری ہے کہ وہ صفائی اور پاکیزگی کا مکمل اہتمام کریں، قربانی کے جانور کے فضلات، باقیات او جھڑیاں سڑکوں، گلیوں محلوں اور کھلے مقامات پر نہ پھینکیں، اس سے لوگوں کو پریشانی بھی ہوتی ہے اور بیماریوں کے پھیلنے کا اندیشہ بھی رہتا ہے، ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ جانوروں کی آلائشیں سڑکوں اور کھلے مقامات پر پھینکنے کے عمل سے ہم دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتے ہیں، لوگوں کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وطن عزیز کے مسلمانوں پر تو دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہبی رسوم وشعائر پر عامل بھی رہیں اور اپنے ہم وطنوں کی دل آزاری بھی نہ ہو، اس بات کو بھی یقینی بنائیں۔ جہاں تک ممکن ہو عوامی مقامات پر قربانی سے بچیں، گلی کوچوں کو خون اور دوسری آلائشوں

سے محفوظ رکھیں، بدبو اور تعفن نہ پھیلے اس کے لیے ضروری تدابیر اختیار کریں، قربانی کے گوشت اور ذبح شدہ جانور کی تصویریں سوشل میڈیا پر نہ ڈالیں، جن علاقوں میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مشترک آبادی ہے وہاں خاص طور سے احتیاط سے کام لیں، جذباتی عمل اور ردعمل سے کئی طرح کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھار سے جس سے بھاری نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔ اللہ جل شانہ ہمیں عید قرباں اسلامی طریقے پر منانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ۔***

عید قرباں میں امت کے لیے اہم پیغام

از: بلال احمد نظامی مندسوری

اے مسلماں! سن یہ نکتہ درس قرآنی میں ہے
عظمت اسلام و مسلم صرف قربانی میں ہے
زندگیِ جاوداں مومن کی قربانی میں ہے
لذتِ آبِ بقا تلوار کے پانی میں ہے

عید قرباں اطاعت، محبت ایثار، قربانی اور وفا کا دوسرا نام ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی محبت واطاعت میں ایثار وقربانی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے عزیز از جان فرزند سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو چھری کے نیچے لٹادیا، منظور نظر، جان پدر پسر ابراہیم نے وفا کی تاریخ رقم کرتے ہوئے عرض کیا: اے والد محترم! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، آپ ان شاء اللہ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ (صورہ صافات، آیت: 102)

خلیل اللہ نے عزیز از جان فرزند کو چھری کے نیچے لٹایا اور قربانی دینا چاہی ادھر سے رحمت رب جوش میں آئی اور بہ حکم الٰہی حضرت جبریل امین علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے بدلے ایک جنتی دنبہ اس چھری کے نیچے رکھ دیا۔ اور یوں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے اس عظیم عمل کو اللہ رب العزت نے امت مسلمہ کے صاحب حیثیت بندوں پر واجب کر دیا تاکہ جب جب عید قرباں آئے ان کے دلوں میں بھی ایثار و وفا اور قربانی کے جذبات بیدار ہوں اور یہ بھی اعلاے کلمۃ الحق کے لیے قربانیاں پیش کر سکیں۔

اسلامی تہوار محض تفریح یا دل بہلانے کے لیے نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کا پس منظر بھی نہایت روشن ہوتا ہے اور امت کے لیے خیر ہی خیر اور بھلائی ہی بھلائی لیے آتے ہیں۔

دیکھیے ابھی اسلام کا ایک عظیم تہوار عید الفطر گزرا ہے، ایک مہینہ بھوکا پیاسا رہنے کے بعد بطور انعام اللہ نے عید الفطر کا دن عنایت کیا ہے تاکہ میرے بندے مہینہ بھر بھوکے پیاسے رہ کر بھوکے اور پیاسے لوگوں کے غم کا احساس کر سکیں، غریبوں کی خیر خواہی اور بھلائی والے کام کر سکیں۔ اسی طرح عید قرباں بھی امت کی خیر خواہی اور بھلائی کا درس دیتی ہے۔ عید قرباں محض کسی جانور کے خون بہانے کا نام نہیں بلکہ اپنے رب کے حضور صدق نیت، تقویٰ شعاری اور جذبہ اخلاص سے سرشار ہو کر اپنی اطاعت و محبت کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ جیساکہ قرآن مقدس میں رب تبارک و تعالی نے فرمایا ہے:

ان کے خون اور ان کے گوشت اللہ کے پاس ہرگز نہیں پہنچتے لیکن تمہارا تقویٰ اس کے پاس پہنچتا ہے۔ (سورہ حج، آیت: 37)

یہ تقویٰ تقاضا کرتا ہے کہ جس طرح راہ خدا میں اطاعت الٰہی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے محبوب ترین مال سے جانور کی قربانی پیش کی ہے اسی طرح اپنے نفس کی سرکشی، انانیت، غرور اور خواہشات نفس کو بھی قربان کر دیا جائے، اگر ان تقاضوں کو پورا کیا جائے تو بندہ مومن بارگاہ رب العزت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں عید قرباں کے تعلق سے ہماری کچھ ذمہ داریاں بھی بنتی ہیں جن سے فرار ناممکن ہے۔ عید قرباں پر غریب، یتیم، مسافر، مزدور، نادار اور بے آسرا لوگوں کا سہارا بننے کی کوشش کریں، جس جانور کو رضاے الٰہی کے لیے قربان کر رہے ہیں اس کا گوشت خوشنودیِ رب کے لیے غربا میں تقسیم کریں۔ حدیث رسول ﷺ کے مطابق جو اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرے۔ قربانی کرنے سے قبل تمام شرعی تقاضوں کو پورا

کریں تاکہ ہماری قربانی بارگاہ رب میں شرف قبولیت کا درجہ پالے۔ صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھیں۔ اسلام میں صفائی ستھرائی کو نصف ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عمومی طور پر مسلمان صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتے اور خاص کر قربانی کے ایام میں بے فائدہ چیزیں، نجاست آلود چیزیں گلی محلے کے کنارے پر پھینک دیتے ہیں، ہڈیاں بر سر راہ پھینک دیتے ہیں، اور پور علاقہ فضائی آلودگی نیز تعفن کا شکار ہو جاتا ہے، اگر اس علاقے میں غیر مسلم ہے تو وہ بھی پریشانی کا شکار ہو کر سرکاری اہل کاروں سے شکایتیں کرتے ہیں جس کے سبب آنے والے سالوں میں ہمارے لیے مزید مشکلات بڑھ جاتی ہیں۔

اس لیے اگر ممکن ہو تو پورے علاقے کی قربانی کسی ایک جگہ کی جائے جیسے دیگر کچھ اسلامی ممالک میں بوچڑ خانے بنے ہوتے ہیں تمام قربانیاں اسی جگہ ہوتی ہیں، تاکہ صفائی کرنے والے اہل کار صفائی کر سکیں، یا علاقائی افراد خود ہی صفائی کا اہتمام کریں۔ اوجھڑی اور اس قسم کی دیگر اشیا محلے کے کنارے یا کوڑا کرکٹ میں پھینکنے کی بجائے یا تو انھیں زمین میں گاڑھ دی جائے یا غیر مسلم جو اسے استعمال کرتے ہیں ان کے حوالے کر دی جائے، نالیوں میں خون بہانے سے گریز کریں، ہڈیاں گھر کے آگے یا بر سر راہ پھینکنے کی بجائے کہیں دور کچرا ڈالنے والی جگہ ڈالیں یا زمین میں دفن کر دیں۔ صفائی ستھرائی کا اس قدر اہتمام کریں کہ غیر بھی یہ تاثر لیں کہ ان کے تہوار سماجی اور صفائی کے اعتبار سے بھی کس قدر بہترین اور دل کش ہیں کیوں کہ غیر مطالعۂ کتب سے اسلام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ مسلمانوں کے معاملات سے اسلام کو اچھے یا برے کے خانے میں فٹ کرنے کی کوشش کرے گا۔

مدارس کا خیال بھی رکھیں، قربانی کے جانور کے چمڑے کی قیمتیں نہایت کم ہونے کے سبب مالی طور پر بھی ان کی امداد کریں کیوں کہ یہ مدارس ہی جن کے وجود سے چمن اسلام ہر بھرا ہے۔

دیہات یا شہروں میں ایسے علاقے بھی ہوتے ہیں جہاں غربت کے سبب قربانیاں نہیں ہوتی ہیں، اجتماعی طور پر قربانی کا گوشت جمع کر کے ان علاقوں میں تقسیم کریں تاکہ وہ بھی اظہار خوشی میں شریک ہو کر اپنے رب عزوجل کا شکر بجا لا سکے۔

***

(ص: 58 کا بقیہ) نعیم ملت کو حضور حافظ ملت ایوارڈ اور قاری صاحب کو عزیز ملت ایوارڈ تفویض کیا گیا۔ فخر القرا حافظ و قاری فریاد حسین صاحب قادری استاذ جامعہ ہذا کی تصنیف کردہ فن قراءت کی ضخیم کتاب انوار القراءت کی مبارک رسم اجرا حضور عزیز ملت نے فرمائی۔

بارگاہ رسالت میں نعت شریف کے گلہائے عقیدت پیش کرنے کے لیے حافظ ظاہر علی بلرامپوری کا نام تجویز ہوا۔ جناب قسمت علی تلسی پوری نے بھی شہنشاہ کون و مکان کی بارگاہ پر انوار میں جھوم جھوم کر نعت و منقبت کے اشعار گنگنائے۔ پھر مبارک پور سے تشریف لائے عندلیب چمنستان رسالت حضرت غیاث الدین صاحب کو مدعو کیا گیا۔ موصوف نے سحر طراز ترنم میں مختلف کلام پیش کیے اور بارگاہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان میں منقبت کے اشعار گنگنائے۔

صدر جامعہ ہذا حاجی عبد الہادی عزیزی، ناظم اعلیٰ اقبال احمد خان عزیزی، پرنسپل جامعہ اور دیگر اراکین جامعہ نے سبھی علماے کرام اور مشائخ عظام نے شال اور گل پعوشی سے استقبال کیا۔ نقیبِ جلسہ نے حضرت مولانا سراج احمد چشتی ممبئی کو دعوت خطاب پیش کی۔ موصوف چشتی صاحب کا بلیغ اور شان دار بیان ہوا۔ پھر دستار بندی کا روح پرور منظر شروع ہوا۔ مولانا محمد شمیم احمد قادری نے حضور عزیز ملت، پرنسپل جامعہ، شہزادۂ رسول مولانا سید احمد رضا، علامہ چشتی، مولانا محمد شمیم احمد عزیزی ممبئی، مفتی حبیب اللہ خان پچپیڑوا، مفتی عبد السلام، مولانا محمد علی نظامی، مولانا سید احمد اللہ قادری، مولانا عبد القیوم اعظمی مصباحی اور دیگر علماے کرام سے دستار بندی میں حصہ لینے کی گزارش کی اور فارغین طلبہ کے نام پڑھ کر سنائے۔ مولانا امان حسن سیوانی، مولانا نور احمد قادری، مولانا شبیر احمد مصباحی، مولانا محمد مزمل اختر مصباحی، مولانا قاری نوازش علی قادری، قاری فریاد حسین قادری، قاری اقرار احمد برکاتی و دیگر علما، حفاظ و قرا نے دستار بندی میں تعاون کیا۔ اس طرح 4 درجہ فضیلت، 11 درجہ عالمیت، 28 درجہ حفظ 12 درجہ قراءت، کل 55 طلبہ کے سروں پر تاج کرامت و عظمت رکھا گیا۔ مشائخ کے تقدس مآب ہاتھوں سے اسناد دے کر سرفراز کیا گیا اور جبہ زیب تن کرایا گیا۔ شہزادہ رسول مولانا حافظ و قاری سید احمد رضا کے سلام، حضور عزیز ملت صاحب قبلہ کے خصوصی کلمات خیر و نصائح اور دعا و تقسیم تبرک پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ اخیر میں حضرت علامہ مفتی محمد مسیح احمد قادری کتاب پرنسپل و شیخ الحدیث جامعہ ہذا نے شرکاے اجلاس علما و شعرا اور عوام کا شکریہ ادا کیا۔ از: **محمد شمیم احمد قادری مصباحی**۔ جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور

گوشۂ ادب

اظہار خیال - نقوش فکر

مبارک حسین مصباحی

رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسٓ اختر مصباحی علیہ الرحمہ کے تحریر کردہ اداریوں کا مجموعہ ”نقوش فکر“ جب مرتب ہوا تو حضرت نے احقر مبارک حسین مصباحی کو اس کے لیے اظہارِ خیال کا حکم دیا، راقم نے 7 ذی الحجہ 1423ھ / 9 جنوری 2003ء میں کچھ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس تاثر کو بیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو رہا ہے، اس مجموعے میں ماہ نامہ حجاز دہلی اگست 1988ء تا نومبر 1994ء اور ماہ نامہ کنزالایمان دہلی نومبر 1998ء تا جون 2004ء کے مکمل اداریے ہیں۔ افسوس صد افسوس، مئی ۲۰۲۳ء کا حضرت کا وصال پر ملال ہوگیا۔ ہم قارئین اشرفیہ مبارک پور کے لیے اپنا تاثر پیش کر رہے ہیں۔ ”گر قبول افتد زہے عز و شرف“

از: مبارک حسین مصباحی

جنت نشان بساط ہند پر 15 اگست 1947ء میں آزادی کی پہلی کرن پھوٹی اور ایثار پیشہ مجاہدین کی سرفروشانہ جد وجہد کے نتیجہ میں باشندگان ہند نے ایک پر امن اور خوبصورت مستقبل کے تصور سے اطمینان کی سانس لی اور اس کے بعد تاریخ ہند کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ جنگ آزادی کے دوران مجاہدین ہند نے حب الوطنی کے وفور شوق میں فرقہ وارانہ جذبات سے بالاتر ہوکر جس حیرت انگیز سیاسی یک جہتی اور ملکی رواداری کا مظاہرہ کیا تھا اس کی عطر بیز خوشبوؤں سے تاریخ ہند صدیوں تک مشک بار رہے گی۔ اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ آزادی ہند کے اولین نعرۂ انقلاب سے لے کر غلامی کی زنجیریں توڑنے تک جاں باز علمائے ہند نے بالکل وہی کردار ادا کیا ہے جو قافلۂ جسم وجان کو رواں دواں رکھنے میں دل کا ہوتا ہے۔ مجاہدین ہند کو جن الفاظ نے ہمہ دم تازہ دم رکھا اور قدم قدم پر عزم و حوصلہ عطا کیا وہ ہیں انقلاب، زندہ باد، جہاد، مجاہد ہند، شہادت، شہید آزادی اور غلامی سے آزادی! یہ سارے الفاظ علمائے کرام اور اردو شعرا کی اصطلاحات وعطیات ہیں۔ اور آج بھی آزادی ہند کی تاریخ نویسی اور تاریخ بیانی کے لیے ان الفاظ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان الفاظ کو نظر انداز کرکے بات کا بتنگڑ تو بنایا جاسکتا ہے لیکن ایثار وقربانی کی دل گداز داستان رقم نہیں کی جاسکتی۔

مگر افسوس! خاک ہند کی اس مقدر زبوں حالی کو کیا کہیے کہ انگریز سامراج جاتے جاتے اس سونے کی چڑیا کے بال و پر تو اپنے ساتھ لے گئے اور اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں اس میں پھر قوت پرواز نہ آجائے فضائے ہند میں فرقہ وارانہ تصادم کا زہر قاتل گھول گئے۔ اس کا الم ناک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ جو مختلف المذاہب جاں باز دستے حب الوطنی کی امنگوں سے سرشار قدم بہ قدم سینہ سپر ہوکر دشمن کے سامنے کھڑے تھے اب اپنے ملک ووطن کی تعمیر و ترقی کے اصل نشانہ سے انحراف کر کے الگ الگ خیموں میں تقسیم ہونے لگے اور پھر سیاست برائے مذہب اور مذہب برائے سیاست کی جنگ چھڑ گئی۔ آزادی ہند کے بعد امید تھی کہ ہمارا ملک جمہوری اقدار کے سایہ میں ترقی کرے گا، امن وشانتی کی خوشگوار ہوائیں خاک ہند کی زرخیزی میں اضافہ کریں گی، خوش رنگ گلوں کا یہ حسین گلدستہ اپنی عطر بیز خوشبوؤں سے ہر صحن چمن کو مہکائے گا مگر یہ خوبصورت خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ اکثریتی فرقے نے اپنی طاقت وتعداد کا غلط فائدہ اٹھاکر ہندو احیا پرستی کی مہم چھیڑی اور تعلیم وتہذیب سے سیاست وصحافت تک اور تجارت ومعیشت سے سماج ومعاشرہ تک اسلام بیزاری کی فضا پیدا کردی۔ دن کے اجالے میں جمہوریت و یکجہتی کے نعرے لگتے رہے اور رات کے اندھیرے میں مسلمانوں کے دینی اور قومی سرمایہ پر شب خون مارنے کے منصوبے بنتے رہے۔ اس جمہوریت کش اور جارحیت پسند سیاسی فکر عمل کا سب سے

بڑا نقصان اسلام اور اسلامیان ہند کو پہنچا اور آج بھی یہ قیامت خیز طوفان آگ کا بگولہ بن کر مسلم آبادیوں کو خاکستر کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ ان حالات نے ہندوستانی مسلمانوں کو سیاسی، سماجی، ثقافتی، ادبی صحافتی، معاشی، اور تجارتی میدانوں میں ایک ایسے نازک موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے کہ اپنے ہی وطن میں ان کی پیش قدمی اور ترقی کی راہیں بند نہیں تو تنگ ضرور ہو گئی ہیں۔ بالفاظ دیگر مسلمانوں کے دینی اور قومی اثاثوں پر مسلسل اور پے در پے اتنی یلغار ہوتی ہے کہ اب ان کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اپنے دینی تشخص اور اپنے قومی وقار کے تحفظ کا کھڑا ہو گیا ہے۔ مسلسل ہزیمت و پسپائی کے بعد مسلم قیادت بھی انتشار اور مایوسی کا شکار ہو کر رہ گئی اور بعض مسلم قائدین نے ذاتی منفعت پر قومی منفعت کو قربان کرنا شروع کر دیا۔ ان ہی اسباب کا نتیجہ ہے کہ آزادی کے بعد سے آج تک مسلمانوں کی منظم اور مستحکم قیادت کا کوئی ڈھانچہ ابھر کر سامنے نہ آسکا۔

جہاں تک ارباب خانقاہ، اہل مدارس اور مبلغین اسلام کی ذمہ داریوں کا سوال ہے وہ اسلام کے فروغ و تحفظ اور امت مسلمہ کی دینی و معاشرتی صلاح و فلاح میں اتنے مصروف رہے کہ انھیں حریفوں کی سازشوں سے باخبر ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا یا ان کے سامنے دفاع واقدام کے وسائل کا فقدان رہا۔ لیکن اس فلک پیما کارنامے کا اعتراف کیے بغیر قلم آگے نہیں بڑھ سکتا کہ ان گوشہ نشیں صوفیہ اور دینی محاذوں پر سرگرم عمل علما ہی کی مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ ہماری قوم کی ایک بڑی تعداد خوش عقیدگی کے ماحول میں اسلام کے سوز و گداز سے سرشار اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہے۔ کچھ جدید تعلیم یافتہ دانشور، کچھ اہل صحافت و قیادت اور کچھ بزعم خویش روشن خیال علما جو ملی محاذ پر کھڑے نظر آتے ہیں اسلام کے حوالے سے ان کی معلومات کم تھیں یا اسلام کے حقیقی جمال و کمال سے ان کے قلوب غیر مستنیر تھے اس لیے انھوں نے اسلام کی بالا دستی ثابت کرنے اور اسلام کے دفاع واقدام کی بجائے مسلمانوں کے درمیان انحراف و کج روی اور گمراہی و بد مذہبی پھیلانے کا مذموم کردار ادا کیا۔ اور اسلام کے تئیں ان کی حیثیت ایک معذرت خواہانہ داعی کی رہی جو اکثر مواقع پر مؤثر ہونے کی بجائے متأثر ہو جاتے ہیں۔ سر سید احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی، مولانا عنایت اللہ مشرقی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا وحید الدین خاں جیسے حضرات کا لٹریچر پڑھ کر کچھ عجیب سا انقباض و تکدر پیدا ہوتا ہے کیوں کہ ان کے اخذ کردہ نتائج کا رشتہ عموماً مسلک اسلاف سے منقطع نظر آتا ہے۔

دین و دانش، عشق و عرفان، اور تصلب فی الدین جیسے اوصاف کے حامل جن علما اور دانشوروں نے بساط ہند میں جہد و عمل، تعمیری فکر و مزاج اور مستقبل شناس قائدین کی حیثیت سے اسلام کے دفاع واقدام، آثار اسلامی کے تحفظ و بقا اور امت مسلمہ کی قیادت و رہ نمائی کا گراں قدر کارنامہ انجام دیا اور داخلی و خارجی سازشوں سے تاریخ کے کسی موڑ پر بھی سمجھوتا نہیں کیا ان میں چند نمائندہ شخصیات یہ ہیں۔

علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ عبد القادر برکاتی بدایونی، امام احمد رضا محدث بریلوی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی، تاج العلما مولانا سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی، برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری، مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی، مولانا حامد علی فاروقی رائے پوری، مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری اڑیسوی، حافظ ملت مولانا عبد العزیز محدث مبارکپوری، علامہ ارشد القادری، علامہ مشتاق احمد نظامی، مجاہد دوراں سید مظفر حسین کچھوچھوی، ریحان ملت مولانا ریحان رضا خاں بریلوی، مولانا قمر الزماں اعظمی، مولانا عبید اللہ اعظمی اور مولانا یٰسٓ اختر مصباحی۔ ان میں کچھ وہ ہیں جنھوں نے آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا اور اکثر وہ ہیں جنھوں نے آزادی کے بعد امت مسلمہ کے دینی اور قومی وقار کی بحالی کے لیے زبان و قلم اور تحریک و تنظیم کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

موجودہ علمائے اہل سنت و قائدین ملت کے درمیان ایک متوازن مفکر و صحافی اور خاموش انقلابی قائد کی حیثیت سے مفکر اسلام علامہ یٰسٓ اختر مصباحی کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ بلند فکری، سنجیدہ مزاجی، مسلم مسائل سے باخبری، معاندین اسلام کے اعتراضات کی جواب دہی، زبان و ادب پر مکمل دسترس، جماعتی مسائل میں دردمندی، فکر انگیز اور رواں دواں تحریر و نگارش، ان کے دبستانِ حیات کے چند گل ہائے خوش رنگ ہیں۔ وہ ایک بلند پایہ عالم دین اور کثیر التصانیف مصنف ہیں اور مسلمانوں کے عالمی و ملکی مسائل پر عقابی نظر رکھنے والے حساس اور مستقبل شناس صحافی ہیں۔ وہ قریب تین دہائیوں سے ماضی و حال کا تجزیہ کرتے ہوئے امت مسلمہ کے محفوظ مستقبل کی حصول یابی کی فکری قلمی جنگ لڑ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی فکر و قلم سے امت مسلمہ کی نئی نسل کی خاموش ذہنی و شعوری تربیت کا جو انقلاب آفریں کارنامہ انجام دیا ہے مستقبل کے دامن پر اس کے تابندہ نقوش آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

موضع خالص پور قصبہ ادری ضلع اعظم گڑھ [اب مئو] میں آپ کی ولادت 12 فروری 1953ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد ہندوستان کی شہرہ آفاق درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے اور حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے زیر تربیت اساتذۂ علم و فن سے درس لیا اور علم و ادب کی درخشانی سے ایک ذرۂ خا کی آفتابی ہو گیا۔ 1970ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ سر رشتہ عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے عالم اور فاضل ادب کے امتحانات اور لکھنؤ سے 1973ء میں الاختصاص فی الادب العربی کے دو سالہ کورس کی تعمیل کی۔

جنوری 1974ء سے اپریل 1982ء تک شیخ الادب کے حیثیت سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں تدریسی اور تربیتی خدمات انجام دیں۔ آپ نے اپنے عہد تدریس میں عربی زبان و ادب اور شعور فکر و قلم کی جو مہم چھیڑی تھی اس کے تابندہ نقوش آج بھی چمن اشرفیہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ آپ بلاشبہ جامعہ اشرفیہ کے قابل فخر فرزند بھی ہیں اور قابل تقلید استاذ بھی! آپ نے جامعہ ملیہ دہلی میں بھی 1988ء سے 1990ء تک اسلامیات کے استاد کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں۔ اشرفیہ مبارک پور میں آپ کی تدریسی اور تربیتی خدمات کے نتیجہ میں سیکڑوں علما پیدا ہوئے جو آج ملک اور بیرون ملک میں ارشاد و تبلیغ اور تصنیف و تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ 1982ء سے 1984ء تک ریاض سعودی عرب اس کے بعد آپ نے خدمت لوح و قلم، فروغ دین و دانش اور دعوت و تبلیغ کے لیے دہلی کی سرزمین کو منتخب کیا اور بلاشبہ دہلی کی سرزمین پر 1984ء میں آپ کا قدم رکھنا اہل سنت و جماعت کے لیے فال نیک ثابت ہوا۔ آپ نے دہلی کی سرزمین پر جو انقلاب آفریں کارنامہ انجام دیا اس کے فکری و تعمیری اثرات بر صغیر میں محسوس کیے جا رہے ہیں اور مستقبل میں بھی اس عہد کا سراڈھونڈنے کے لیے کہکشاں کے جمال کی طرح آپ رہ نوردان شوق کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ دہلی کی سرزمین پر علامہ ارشد القادری کی جدوجہد اور مولانا یٰس اختر مصباحی کے قیام واستقلال اور ثبات قدمی کے نتیجے میں اب بڑی تیزی سے عشق و عرفان اور دین و دانش کی قدریں بحال ہو رہی ہیں۔ درجنوں مدارس کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ سیکڑوں مساجد میں ائمۂ اہل سنت محراب و منبر کی زینت بن چکے ہیں۔ قدیم خانقاہوں میں عقیدہ و عمل کی تازگی اور پختگی کی لہریں شروع ہو چکی ہیں۔ اور اشاعتی اداروں میں بھی دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ زرخیز زمینوں پر دین و دانش کے گل بوٹے اگانا ایک بڑا کام ہے لیکن بنجر زمینوں میں خوش اعتقادیوں کے لالہ زار اگانا ، پتھریلے علاقوں میں شاہراہیں تراشنے سے بھی بڑا کام ہے۔ ہمارے عہد کا تاریخ نویس کبھی اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ اگر حافظ ملت کے پر عزم تلامذہ نے دہلی کو اپنی فکر و عمل اور دعوت و تبلیغ کا محور نہ بنایا ہوتا تو اس تاریخی سرزمین پر ہماری جماعت کی شناخت بھی سنگین خطرات سے دو چار ہو چکی تھی۔ دین دانش، سیاست و صحافت اور سیرت و سوانح کے مختلف موضوعات پر آپ کی تقریبا 30 کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ [بفضلہ تعالیٰ آپ کی کتابوں کی تعداد اب 53 ہو چکی ہے] خطۂ ہند میں فکر رضا کے تعارف و فروغ میں سب سے بنیادی اور اہم کارنامہ آپ کے قلم نے انجام دیا۔ ایک منظم اور دور رس فکری نقطہ نظر سے رضویات پر آپ نے قلم نہ اٹھایا ہوتا تو شاید رضا بیزار حلقوں میں امام احمد رضا کی فکر و شخصیت پیش کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی قابل ذکر لٹریچر نہیں ہوتا۔ اس حوالے سے امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، امام احمد رضا ارباب علم دانش کی نظر میں، معارف کنزالایمان، امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، امام احمد رضا اور تحریکات جدیدہ، سواد اعظم، اور تعارف اہل سنت وغیرہ تصانیف اور درجنوں مقالات و مضامین نے عرفان رضا کا اجالا عام کرنے میں جو تاریخی اور ٹھوس کردار ادا کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی مشہور تصنیف امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات کی تحسین اور اعتراف خدمات کے طور پر بمبئی کے ایک اجلاس (منعقدہ 1991ء) میں رضا اکیڈمی ممبئی نے آپ کے خدمت میں مبلغ گیارہ ہزار روپے کے ساتھ ایک توصیف نامہ پیش کیا۔ اس رقم کو آپ نے اسی اجلاس میں اپنی مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو نذر کر دیا جو بجائے خود ایک مخلص و بے لوث عالم ربانی کا یادگار کارنامہ ہے۔ مفکر اسلام حضرت علامہ یٰس اختر مصباحی صاحب ایک ذمہ دار عالم دین اور متوازن الفکر و صاحب الرائے مفکر کی حیثیت سے تنظیمی اور تعمیری میدانوں میں بھی مسلسل سرگرم عمل رہتے ہیں۔ سمیناروں اور اہم کانفرنسوں میں بھی آپ کی شرکت کا وزن محسوس کیا جاتا ہے۔ لوح و قلم کے عروج، دین و دانش کے فروغ اور جماعتی شعور کی بیداری کے حوالے سے آپ کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس داستان ہزار شب کے سنانے کی یہاں گنجائش کہاں؟ سر دست ان اداروں اور تحریکوں کی فہرست نمائی پر ہم اکتفا کرتے رہیں جن کی آپ نے بنا ڈالی یا جن کے فروغ و استحکام میں کلیدی کردار ادا کیا۔

- بانی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور،
- نائب صدر کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس،
- بانی رکن مسلم کنونشن اتر پردیش،
- بانی و صدر آل انڈیا مسلم مشاورتی بورڈ،

ان کے علاوہ درگاہ کمیٹی اجمیر شریف کے (نومبر 1997ء تا نومبر 2002ء) رکن اور نائب صدر رہ چکے ہیں۔ اور اس وقت دار القلم دہلی کے بانی و مہتمم کی حیثیت سے پوری تندہی کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ یہ ادارہ آپ کی جولان گاہِ فکر و عمل کی خاص آماجگاہ ہے۔ جب آپ نے پہلی بار 1991ء میں دار القلم کا فلک پیما منصوبہ ماہنامہ حجاز جدید دہلی میں پیش کیا تھا تو نوک قلم سے برپا ہونے والے انقلاب کی آہٹ پورے ملک میں محسوس کی گئی تھی۔ اس موقع پر دار القلم کے بانی کی قلمی، فکری اور تنظیمی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے رئیس القلم علامہ ارشد القادری نے اپنے سحر طراز قلم کا جو خراج پیش کیا تھا اسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ حضرت علامہ ارشد القادری رقم طراز ہیں:

بیرون ملک کے طویل سفر سے واپسی کے بعد (حجاز جدید) مارچ-اپریل (1991ء) کے مشترک شمارے کا اداریہ پڑھا۔ ہر ماہ حجاز کی زمین پر اپنے خون جگر سے جو نئے نئے گل بوٹے آپ سجاتے ہیں، دیدہ شوق کی آسودگی کے لیے وہی کیا کم تھا کہ اس بار آپ نے دماغ کی سب سے اونچی سطح پر ایک ایسا گل کھلایا ہے جس کی خوشبو سے جذبہ و احساس ہی نہیں بلکہ کاغذ کا پیرہن تک معطر ہو گیا ہے۔ اپنے بہت سارے ذیلی شعبوں کے ساتھ دار القلم کے قیام کا اعلان پڑھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ آپ کے متعلق میرا سب سے بلند تصور یہ تھا کہ آپ ایک بہت اچھے صاحب قلم، ایک فلک پیما مفکر، ایک صاحب طرز ادیب اور جذبات و احساسات کے ایک انقلابی ترجمان ہیں۔ لیکن تازہ اداریہ کے ذریعہ پہلی بار اس حیثیت سے آپ کا تعارف ہوا کہ آپ اہل سنت کے فکری اور علمی و عملی مستقبل کے بہت بڑے منصوبہ ساز بھی ہیں۔ (ماہنامہ حجاز جدید دہلی، شمارہ ستمبر 1991ء)

1988ء میں آپ نے دہلی سے ماہنامہ "حجاز جدید" نکالا جو دین و دانش کے اعلیٰ ترجمان کی حیثیت سے نومبر 1992ء تک جاری رہا۔ قرطاس و قلم کے تعلق سے جماعت اہل سنت کی روایتی بے توجہی کے نتیجے میں افق صحافت کا یہ آفتاب عین نصف النہار کے وقت غروب ہو گیا، لیکن ڈوبتے ڈوبتے فکر و قلم کی ایسی تابشیں چھوڑ گیا جو ہمیشہ گم گشتگان راہ کے سامنے منزل کی رہنمائی کرتی رہیں گی، نومبر 1998ء سے رضوی کتاب گھر دہلی کے ترجمان ماہنامہ کنز الایمان دہلی کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے آپ اسلامی صحافت کی نمائندگی فرما رہے ہیں۔ پیش نظر صحیفۂ فکر و قلم نقوش فکر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ماہنامہ حجاز جدید دہلی اور ماہنامہ کنز الایمان دہلی کے لیے لکھے گئے اداریوں کا دل آویز اور فکر انگیز مرقع ہے۔ ہر اداریہ ایک جہان دانش ہے۔ احوال و معارف اور حقائق و وقائع کا تجزیاتی دریا ہے، جسے قلم کی ساحری سے کوزے میں بھرا گیا ہے۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ ان تحریروں میں دین و دانش، ادب و ثقافت اور سیاست و صحافت کے ابھرتے ہوئے مسائل کا تجزیہ ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیا گیا ہے۔ اسلامی مسائل کی واضح اور مؤثر تشریحات ہیں۔ تاریخی حقائق و تجربات کی روشنی میں حال و مستقبل کے خطرات کی نشان وہی ہے۔ امت مسلمہ کے لیے رہنما خطوط عمل ہیں۔ علمائے اہل سنت کی فکری اور تنظیمی صلاحیتوں کو بیدار کیا گیا ہے، بے حسی کو جھنجھوڑتے ہوئے شعور و آگہی کے میدانوں میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، قلم کی خفتہ صلاحیتوں کو مہمیز لگاتے ہوئے رزم گاہِ حق و باطل میں بار بار دعوت مبارزت دی گئی ہے۔ نئی نسل کو تحریر و صحافت کے آفاق پر کمندیں ڈالنے کے لیے ولولہ و شوق عطا کیا گیا ہے۔

نقوش فکر نہ ایک مربوط اور منظم پروگرام کے تحت لکھی ہوئی مستقل کتاب ہے جس میں کسی ایک موضوع کا احاطہ کیا گیا ہو، اور نہ کسی ایک فکری تسلسل کے تحت لکھے گئے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جس میں کسی ایک دور کے مخصوص مسائل پر گفتگو کی گئی ہو، اور نہ کسی ایسی ادبی نگارشات کا دل آویز گلدستہ ہے جس کی معنویت کا حسن صرف لفظوں کے حسین پیرہن تک محدود ہو، بلکہ یہ ہندوستانی مسلمانوں کے گوناگوں مسائل کا ایک تجزیاتی منظر نامہ ہے جسے ایک عالم ربانی اور حساس صحافی نے سرد و گرم حالات اور برسوں کے تجربات سے کشید کیا ہے، اور یہ تحریریں دو چار نشستوں کی بحث و فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ جیسے جیسے حالات بدلتے رہے ہیں ایک متوازن الفکر صحافی کا قلم ان کا تعاقب کرتا رہا ہے اور ہر نازک موڑ پر ایک درمند مسیحا کی طرح امت مسلمہ کی قومی مسیحائی کا فریضہ انجام دیتا رہا ہے۔ اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نقوش فکر افکار و موضوعات کا حد نظر تک پھیلا ہوا ایک لالہ زار ہے۔ اور اس لالہ زار کی گل گشت کے لیے جس طرف بھی

رخ کر لیجیے، دیدۂ شوق منور، دل شاد کام اور دماغ معطر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اب ذرا چند لمحے ٹھہر کر ہندوستانی سیاست وصحافت اور مسلمانوں کے پیچیدہ مسائل کے حوالے سے چند عنوانات پر ایک نظر ڈالیے۔ عنوانات کی وسعت وآفاقیت سے آپ حضرت مولانا مصباحی کی فکری بلندی اور سیاسی شعور وآگہی کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

- مسلم قیادت وصحافت کے لئے لمحہ فکریہ
- جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
- تحریک خلافت سے تحریک بابری مسجد تک
- ہندوستانی سیاست وصحافت پر ایک نظر
- بدایوں سے بھاگل پور تک
- ملک کے بدلتے حالات اور ہماری ذمہ داریاں
- آتش چنار اور وادی کشمیر
- یونیفارم سول کوڈ کی تیاریاں
- اجودھیا اور صوبہ اتر پردیش کے تشویش ناک حالات
- سومناتھ سے اجودھیا تک
- تحفظ عبادت گاہ بل کا خیر مقدم
- تحفظ بابری مسجد کی سرگرم جدوجہد

یہ "حجاز جدید" کے حوالے سے چند عنوانات تھے، اب ذرا اسی پس منظر میں "کنزالایمان" کے چند اداریوں پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیجیے۔

- وحید الدین خاں اور بندے ماترم
- عربی مدارس پر سنگھ پریوار کا شب خون
- عالم اسلام پر امریکی وبرطانوی یلغار
- جن سنگھ سے بھاجپا تک
- اقتدار میں شرکت اور مفادات میں حصہ داری
- مسلم قیادت کے نئے دور کا آغاز
- سپریم کورٹ میں نفقہ مطلقہ کے مقدمات
- بھاجپا کی شاطرانہ پیش کش اور مسلم ردعمل
- نصاب تعلیم کی عہد بہ عہد تبدیلی
- اسلام کے خلاف بین الاقوامی دہشت گردی
- بابری مسجد کے ڈھانچہ اور ملبہ پر رقص ابلیس
- طالبان، ہندوستان، قرآن اور مسلمان
- ملی اور سیاسی مسائل میں اعتدال کی راہ
- ہندو پاک مذاکرات ناکام یا ناتمام؟
- وزارتی گروپ کی رپورٹ اور مدارس اسلامیہ
- افغانی کوہسار امریکی دہشت گردی کا شکار
- اجودھیا سے گجرات تک
- گجرات کی گورستان یاترا
- قرآن اور جہاد کے خلاف شرانگیز مہم
- آزادی کے بعد مسلم سیاسی رجحان اور مسلم قیادت

مفکر اسلام حضرت علامہ لیس اختر مصباحی کی ایمانی بصیرت اور سیاسی شعور وآگہی کے یہ چند نقوش ہیں جو کاروان ملت کو منزل بہ منزل حالات سے باخبر کرتے ہوئے دعوت فکر وعمل دے رہے ہیں۔ اسی طرح آپ نے امت مسلمہ کو قدم قدم پر اسلام دشمنوں کی شاطرانہ فریب کاریوں سے آگاہ کیا ہے۔ اور ملی قائدین کے روایتی جمود پر قلم کی ضربیں لگائی ہیں۔ اور ان کے قومی وقار کی بحالی کے لیے متحد ومنظم ہونے کی بار بار دعوت دی ہے۔

حجاز جدید دہلی کے پہلے اداریہ کا عنوان تھا "ہوتا ہے جادہ پیما اب کارواں ہمارا"۔ اس میں فطرت انسانی کی خفتہ صلاحیتوں کو مہمیز کیا گیا ہے۔ کارگاہ حیات میں انسان کو پرزور انداز میں دعوت فکر وعمل دی گئی ہے کہ انسان جہاں ہو جن حالات سے بھی دوچار ہو اس کا جوش عمل بیدار رہنا چاہیے اور عزم بلند کے ساتھ مسلسل تگ ودو کرنا چاہیے۔ حضرت مصباحی کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"بیماری، شباب وکہولت، امروز وفردا، ان سب سے بے فکر و بے نیاز ہو کر کام اور صرف کام کرتے رہنا مرد مومن کی قیمتی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین ہے۔ جس کا کوئی وقت متعین نہیں صبح کا نشاط انگیز اور سہانا وقت ہو کہ شام کے رنگین اور کیف آگیں لمحات، ہر گھڑی ہر ساعت اپنا کام اور اپنا مقصد پیش نظر ہو، اور اسی کی دھن میں وہ لگا رہے۔ کام کے لیے انفرادیت اور ہر موڑ پر اجتماعیت کی کوئی قید نہیں، آدمی تنہا ہو یا اس کے ساتھ ایک جماعت اور منظم تحریک ہو، جس حال میں اور جیسے بھی ہو، اس کا سلسلۂ عمل بہر حال جاری رہے۔ کسی ایک جگہ کی بھی کوئی تخصیص نہیں بحر وبر کی وسعتیں اس کے لیے جولاں گاہ فکر وعمل ہیں۔" (حجاز جدید دہلی، اگست 1988ء)

حجاز جدید کے ایک اداریہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

ایک انتہائی خطرناک رخ کی نشان دہی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’گزشتہ سارے واقعات و حادثات کا تسلسل دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا بے حد آسان ہے کہ ایک منظم و مربوط سازش کے تحت مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں اور سرگرمیاں جاری ہیں، جن کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے اندر نفسیاتی طور پر انتشار، جھنجھلاہٹ اور احتجاج کے مستقل امراض پیدا کر کے انھیں بنیادی اور تعمیری کاموں سے غافل رکھا جائے اور خوف و مرعوبیت اور احساس کمتری کا شکار بنا کر انھیں اپنے آپ کو دوسرے درجہ کا شہــری سمجھنے پر مجبور کر دیا جائے اور ان کے سامنے نت نئے مســائل کے انبار لگا دئے جائیں جن سے وہ نمٹتے اور انھیں سنبھالتے رہ جائیں۔

(ماہنامہ حجاز جدید دہلی، شمارہ اگست 1988ء)

مصباحی صاحب نے اس اداریہ میں اپنے مدعیٰ کو متعدّد مثالوں سے ثابت کرتے ہوئے زعما، صحافیوں، علما اور مسلم دانشوروں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اور بڑے متوازن و سنجیدہ لب ولہجہ میں دعوت عمل دی ہے۔ ذیل میں فکر و بصیرت سے لبریز ایک دردمندانہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

’’ایسے پر آشوب اور ہنگامہ خیز دور میں پوری سنجیدگی اور دل جمعی کے ساتھ کرنے کا کام یہ ہے کہ علمائے کرام، مشائخ عظام، زعمائے ملت اور دانشوران قوم اشتراکِ عمل کے ساتھ تقسیم کار کی پالیسی اپناتے ہوئے کار پردازانِ حکومت اور ابنائے وطن کے ساتھ مخلصانہ اور ہمدردانہ تبادلۂ خیالات کریں۔ گروہ بندی و جماعت بندی کے غیر ضروری بندھنوں سے آزاد ہو کر اتحادی قوت کا مظاہرہ کریں۔ گہرے علم و مطالعہ اور جامعیت و کمال کے ساتھ متعلق موضوعات پر گفتگو کر کے اپنے موقف کو منوائیں۔ غیر مفید شور و ہنگامہ سے اجتناب کرتے ہوئے صبر و تحمل، نظم و ضبط اور تدبر و بیدار مغزی سے کام لے کر اصل مسائل کو سامنے رکھیں، تعلیمی، تہذیبی اور اقتصادی ترقی کی راہ اپنائیں۔ خواص کے ساتھ عوام کے اندر بھی اپنی جڑیں مضبوط رکھیں۔ اور خطابت کے ساتھ قوتِ تحریر کا بھی استعمال کریں......

ملت اسلامیۂ ہند کو موجودہ خطابی و قراردادی سیاست کے علاوہ مخلصانہ و جرات مندانہ فکری و عملی قیادت کی بھی ضرورت ہے۔ اور جذبہ و لگن، عزم و حوصلہ اور تنظیم و منصوبہ بندی کی ساتھ جب تک ہم یہ خدمت انجام نہیں دیتے اس وقت تک اپنے قومی وجود کی طرف بڑھتے ہوئے خطرات کے صحیح ادراک و شعور سے گویا ہم ناواقف اور اپنے ملی فرائض سے غافل سمجھے جائیں گے اور آنے والی تاریخ اس عظیم اجتماعی حادثہ کو اجتماعی خودکشی کے نام سے یاد کرے گی۔ (ماہنامہ حجاز دہلی، اگست 1988ء)

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی اپنے خاص رنگ میں آتے ہیں تو نوکــــ قلم سے لفظوں کا چشمۂ شیریں ابلنے لگتا ہے۔ اور فکر و معنیٰ کی کیف آگیں طغیانی دیکھ کر قاری پر ایک حیرت انگیز وجدانی کیفیت چھا جاتی ہے۔ ’’آتش چنار اور وادیٔ کشمیر‘‘ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

’’کشمیر کی برف پوش وادیاں آگ اگل رہی ہیں اور لہلہاتے ہوئے سبزہ زار رفتہ رفتہ شعلۂ جوالہ بنتے جا رہے ہیں۔ امن پسند کشمیری عوام جلوس و احتجاج اور مظاہرہ و ہڑتال کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔ حالات سے تنگ آکر منحرف کشمیری نوجوان جان ہتھیلی پر رکھ کر فصیل زنداں سے باہر نکلنے کے لیے بے چین و بے قرار ہو رہے ہیں، اور ان کے ہاتھ اب بندوقوں اور مشین گنوں کے خوگر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی زبانوں پر نعرۂ جہاد ہے یا مکمل آزادی کا مطالبہ! اور اب انھیں اپنی عفت مآب ماؤں اور بہنوں سے یہ گزارش کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

(اداریہ ماہنامہ حجاز جدید دہلی، اپریل 1990ء)

’’نقوش فکر‘‘ میں خدمت لوح و قلم کی اہمیت اور دعوت و تبلیغ کے عصری تقاضوں کے حوالے سے بھی گراں قدر تحریریں شامل ہیں۔ چند اداریے گمراہ فرقوں کے رد و انکار اور اہل سنت کے عقائد و معمولات کے اثبات و اشاعت کے تعلق سے بھی ہیں۔ چند اہم شخصیات پر تاثراتی نقوش قلم بھی ہیں۔ اس طرح یہ صحیفۂ فکر و قلم ایک جہانِ علم و دانش اور امت مسلمہ کا فکر انگیز سیاسی منظر نامہ ہے۔ جو مختلف جہتوں سے اپنے عہد کی ایک سچی شناخت کی حیثیت سے زندہ جاوید رہے گا۔

مبارک حسین مصباحی
خادم الصحافۃ والتدریس
الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی
7 ذی الحجہ 1423ھ / 9 جنوری 2003ء

***

خیابان حرم

مدینہ طیبہ میں کہی گئی چند نعتیں

مہتاب پیامی

فوراً سے پیش تر

سرکار میرے کیسے ہیں، فوراً سے پیش تر
دل کی پکار سنتے ہیں فوراً سے پیش تر

جب ہم سوال کرتے ہیں، فوراً سے پیش تر
وہ دینے والے دیتے ہیں فوراً سے پیش تر

اذنِ حضور ملتے ہی باب السلام سے
رو رو کے ہم گزرتے ہیں فوراً سے پیش تر

جب ان سے مانگتے ہیں ریاضِ جناں کی بھیک
جنت ہمیں دلاتے ہیں فوراً سے پیش تر

ناکام و نامراد نہیں ان کے در سے ہم
پوری مراد کرتے ہیں فوراً سے پیش تر

ظلمت لیے نصیب کی طیبہ کو آئے تھے
بے شک اجالے پائے ہیں فوراً سے پیش تر

ایجاب کے مقام پہ اک عرض دیکھ کر
سو عرض اور کرتے ہیں فوراً سے پیش تر

دل کی زباں سے کرتے ہیں جو عرضِ مدعا
سرکار پورا کرتے ہیں فوراً سے پیش تر

ملتے ہی ان کے در پہ جبیں عاجزی کے ساتھ
مہتابؔ ہم چمکتے ہیں فوراً سے پیش تر

▪▪▪

درِ نبی پہ دعاؤں نے سر جھکائے ہیں

خدا کا شکر کہ یہ دن میسر آئے ہیں
درِ نبی پہ دعاؤں نے سر جھکائے ہیں
مرے نصیب کی کتنی حسین رات ہے یہ
ستارے لطف کے آنکھوں میں مسکرائے ہیں
مری نگاہ کے آگے ہے گنبدِ خضرا
بہارِ خلد ے گلزارِ دل بسائے ہیں
فدا کلش کی چمک پر ہلالِ سوئم ہے
ہلال نے بھی اجالے اسی سے پائے ہیں
اندھیری رات میں دن کا سماں ہے روضے پر
ہزاروں صبحوں کے سورج جبیں جھکائے ہیں
جھکیں نہ کیوں مری باب السلام پر آنکھیں
سلامتی کے نوشتے یہیں سے پائے ہیں
سکوں سے بیٹھ کے بستانِ فاطمہ میں حضور
شگوفے مدح کے ہم نے کئی کھلائے ہیں
حضور آپ کے احسان کے سمندر میں
سفینہ چھوڑ کے بے فکر مسکرائے ہیں
حضور اگلے برس پھر ہمیں بلا لینا
یہ عرض لے کے ہم امسال در پہ آئے ہیں
مری حیات کا ہر لمحہ نعت ہو جائے
اِس التجا پہ مرے ہونٹ کپکپائے ہیں
اِس التجا پہ مری آنکھ ڈبڈبائی ہے
حروف غم کے مرے دل میں راہ پائے ہیں

▪▪▪

ملی مدینہ میں جو شے وہ بہترین ملی

کرم ہوا تو مجھے منزل یقین ملی
حضور! پھر سے مدینہ کی سرزمین ملی
ہزار فتح مری زندگی میں تھے لیکن
ملا جو شہر نبی، زندگی حسین ملی
اشارہ آپ نے فرما دیا تو اے سرکار
عطا خدا کی رگ جاں سے بھی قرین ملی
ہے میرے سر پہ پرِ جبرئیل کا سایہ
جھکی دیار نبی میں مری جبین ملی
سمیٹنے لگا میں آسمان باہوں میں
بلند اتنی مجھے آپ کی زمین ملی
جو چاہا میں نے یہاں سب میسر آیا مجھے
ملی مدینے میں جو شے وہ بہترین ملی
نہ کیوں ہو عشق مدینے سے مجھ کو اے مہتاب
یہیں پہ آ کے مجھے روح عالمین ملی

دوبارہ

سرکار بلائیں گے تو آؤں گا دوبارا
اے شہر مدینہ تجھے پاؤں گا دوبارا
آنکھوں کو نچوڑوں گا کبھی ان کی گلی میں
اے دل تجھے سینے میں رُلاؤں گا دوبارا
جس در پہ جھکا جاتا ہے ہر قدسیِ خدمت
سر اپنا اُسی در پہ جھکاؤں گا دوبارا
سرکار کا یہ طیبہ نہیں، طیبہ ہے فردوس
ان کے اِسی فردوس میں آؤں گا دوبارا
آنکھوں میں بساؤں گا دوبارا یہی جالی
پلکوں پہ نظاروں کو بٹھاؤں گا دوبارا
پھر مسجد نبوی کے ستوں دل میں گڑیں گے
سینے کو میں صحن ان کا بناؤں گا دوبارا
دنیا میں یہیں دل کو لگانے کی جگہ ہے
دل کیا ہے یہاں جاں بھی لگاؤں گا دوبارا
اللہ نے چاہا تو بہت جلد کسی دن
مہتابؔ یہاں لوٹ کے آؤں گا دوبارا

سفر آخرت

علامہ یٰسٓ اختر مصباحی کا وصال پر ملال

تاثرات و تعزیات

جامعہ اشرفیہ میں رئیس التحریر علامہ یٰسٓ اختر مصباحی اور مفتی محمد اعظم ٹانڈوی کے لیے محفل ایصال ثواب کا انعقاد

از: مفتی محمد اعظم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

7 مئی 2023 رات تقریباً دس بجے یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ، کا دہلی ایمس ہاسپٹل میں انتقال ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡن

8 مئی 2023 بروز دوشنبہ فجر کی نماز کے بعد بحکمِ سربراہ اعلیٰ صاحب قبلہ عزیز المساجد جامعہ اشرفیہ مبارک پور، میں ایصال ثواب کی ایک محفل منعقد ہوئی، نماز کے بعد فوراً طلبہ اور اساتذہ جامعہ اشرفیہ نے قرآن خوانی کی، اس کے بعد نعت خوانی اور پھر اس کے بعد حضرت مفتی بدر عالم مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، نے علامہ یٰسٓ اختر مصباحی کی حیات و خدمات پر مختصر مگر جامع خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

رئیس القلم علامہ یٰسین اختر مصباحی کی رحلت، اہل سنت کا عظیم خسارہ ہے آپ کی رحلت ایک زریں عہد کا خاتمہ اور علمی باب کا اختتام ہے۔

ساتھ ہی مفتی بدر عالم مصباحی صاحب نے، مفتی محمد اعظم علیہ الرحمہ، ٹانڈوی کا ذکر خیر بھی فرمایا اور ان کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالی۔ اخیر میں قل شریف پڑھا گیا اور دونوں حضرات کے لیے ایصال ثواب اور دعاے مغفرت کی گئی۔ اس مبارک محفل میں اپنے محسن کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ اور طلبہ شریک ہوئے۔

علامہ یٰسٓ اختر مصباحی کے وصال پر مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی کا تعزیتی پیغام

از: محمد فروغ القادری، ورلڈ اسلامک لندن

یہ جان کر بے حد افسوس ہوا کے رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسٓ اختر مصباحی رکن شوری الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ بانی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور، بانی دار القلم دہلی مورخہ 7 مئی 2023ء شب دوشنبہ 9 بج کر 50 منٹ پر دہلی کے ایمس ہاسپٹل میں شدت علالت کے بعد وصال فرما گئے۔ انا للہ و انا إلیہ رٰجعون.

علمی دنیا پر ایک طویل عرصے سے ان کی علمی کاوشوں کے اثرات اور قلمی، تحریکی و تنظیمی سرگرمیوں کا فیضان جاری تھا۔ وہ ایک عالم ربانی، مایہ ناز مصنف، کہنہ مشق مدرس اور دینی و سیاسی مسائل پر دقت نظر رکھنے والے عظیم قائدانہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ دینی درس گاہوں کے جلسے ہوں یا پھر یونیورسٹیز کے سمینارس ان دونوں مقامات پر ان کی یکساں پذیرائی تھی۔ ہمارے ہاں اب ایسا کوئی شخص نہیں جسے ان کی جگہ کھڑا کیا جا سکے۔ ان کی مختلف الجہات شخصیت بے پناہ صلاحیتوں سے مرصع اور فقید المثال تھی۔ وہ ایسے وقت میں ہم سب سے اوجھل ہو گئے جس وقت ان کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ انھوں نے جن حساس موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اس کے لیے ارباب علم و دانش انھیں رہتی دنیا تک اپنے دلوں کا خراج پیش کرتے رہیں گے۔ وہ اپنے فکر و فن کی آئینہ بندیوں میں زندہ رہیں گے اور ان کی یادوں کا چراغ عکس در عکس تصورات کی شاہراہوں کو بہت دیر تک روشن و تابندہ رکھے گا۔

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

حضرت علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی کے وصال پر مفکر اسلام، خطیب اعظم، سیاح یورپ وامریکہ حضرت علامہ قمرالزماں اعظمی سیکرٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ نے اپنے گہرے دکھ اور غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ”ہماری جماعت کے انتہائی مدبر، بہترین مصنف، اور اہلِ قلم کے امیر کارواں حضرت علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی کا وصال پوری علمی دنیا کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔ گذشتہ دو سال اہل سنت وجماعت کے لیے نہایت ہی کرب ناک رہے ہیں۔ بڑی عظیم شخصیتیں ہم سے روپوش ہوگئیں۔ علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ صرف ذاتی طور پر قلم کار نہیں تھے بلکہ آپ نے قلم کاروں کی ایک روایت قائم کی۔ شہنشاہِ قلم حضرت علامہ ارشد القادری کے بعد انھوں نے نوجوان علما میں لکھنے کا شعور پیدا کیا، تنقید کا شعور پیدا کیا۔ اور خود احتسابی یہ وہ عظیم جوہر ہے جو کسی قوم یا فرد میں پیدا ہو جائے تو وہ عظیم تر ہوتا ہے۔ اور ان کے اندر یہ صلاحیت موجود تھی۔ وہ اچھے نقاد، اچھے مدبر، بہترین مصنف اور عظیم رائٹر تھے اور قوم وملت کا حقیقی درد ان کا سرمایۂ حیات تھا۔ جب بھی ملت اسلامیہ پر کوئی بھی مصیبت آتی وہ علما کے ساتھ جمع ہو کر اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ میٹنگ کبھی ممبئی میں ہوتی کبھی دہلی میں اور علما ان کی آواز پر حاضر ہو جایا کرتے تھے اور مسائل پر کھلے انداز سے گفتگو ہوتی تھی۔ اب ان کے جیسا کوئی نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ان سے لکھنے کا شعور حاصل کیا، خدا کرے ان میں علامہ لیٰسٓ اختر صاحب جیسے لوگ پیدا ہوں۔ اور انھوں نے سب سے بڑا کارنامہ جو انجام دیا ہے، یہ ہے کہ غیر سنی دنیا میں، پڑھی لکھی دنیا میں، جدید طبقے ہیں، آزاد خیال طبقے میں، یونیورسٹی کے طلبا و مدرسین میں اعلیٰ حضرت کا تعارف کروایا۔“

حضور مفکر اسلام علامہ اعظمی نے مزید کہا کہ:

”وہ الزامات جو بدعت طرازی کے حوالے سے اعلیٰ حضرت پر تھے یا اس طرح کے دوسرے الزامات اس کا جواب انھوں نے ”امام احمد رضا اور ردبدعات ومنکرات“ لکھ کر دیا۔ اس کتاب نے ہزاروں افراد کے دل ودماغ کو صاف کیا۔ اور اس کتاب کو جس نے بھی پڑھا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ حالات پر ان کی نظر ہوتی تھی وہ ماہنامہ حجاز دہلی اور ماہنامہ کنزالایمان دہلی میں برسوں تک اداریے لکھتے رہے اور ان اداریوں کا مجموعہ ”نقوش فکر“ کے نام سے ایک ضخیم جلد میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اس مجموعے سے لکھنے والے بہت کچھ استفادہ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کی عظیم درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی میں ایک طویل عرصے تک تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ان کے بے شمار تلامذہ ملک وبیرون ملک دینی خدمات میں شب وروز مصروف عمل ہیں۔ ہم ان کی خدمات کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں ان کے اماثل پیدا فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے، انھیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، ان کے مقامات کو بلند فرمائے اور ان کی خدمات کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔“

ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے دیگر قائدین اور علما میں تلمیذ حافظ ملت حضرت علامہ قاری محمد اسماعیل مصباحی راچڈل، علامہ محمد ارشد مصباحی مانچسٹر، علامہ محمد میاں مالیگ مانچسٹر، علامہ غلام یزدانی مصباحی لندن، علامہ محمد ارشاد احمد شیدا مبارک پوری، حضرت علامہ مفتی محمد شفیق الرحمٰن عزیزی مصباحی، ڈاکٹر وقار الزماں اعظمی، بیرسٹر معین الزماں اعظمی اور علامہ راشد ضیا نعیمی نے بھی حضرت علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی کے وصال پر گہرے دکھ درد کا اظہار کیا ہے اور ان کے اہل خانہ کو تعزیت پیش کرتے ہوئے ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ یہاں برطانیہ اور یورپ کی مساجد میں دعاے مغفرت کی گئی۔ اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور غریق رحمت فرمائے۔ آمین

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم وخلیل

اسیر غم۔ محمد فروغ القادری
ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

آہ! رئیس التحریر علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی

از: محمد فروغ القادری، ورلڈ اسلامک لندن

خمیر بندۂ مومن سے ہے نمود اس کی
بلند تر ہے ستاروں سے اس کا کاشانہ

یہ جان کر بے حد افسوس اور قلبی صدمہ گزرا کہ رئیس التحریر حضرت علاہ لیٰسٓ اختر مصباحی رکن شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

7/ مئی 2023ء کو شدت علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ رٰجعون.

ان کے جسد خاکی کو ان کے آبائی وطن ادری مئو لایا گیا اور وہیں دوسرے دن ہزاروں افراد کے ہجوم میں سپرد خاک کیے گئے۔ علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم عالم ربانی اور علم و فضل کے جواہرات آراستہ، نابغۂ روزگار، جامع الصفات شخصیت کے حامل تھے۔ کم و بیش نصف صدی تک ان کا فکری و عملی آبشار اہل سنت و جماعت کی کشت ویراں پر برستا رہا۔ ایک طویل عرصے تک ان کی قلمی کاوشوں کے ہمہ گیر اثرات، ان کی اصابت رائے، ان کی صالح قیادت، ان کے علمی تبحر، اور ان کی دقت طرازیوں کا فیضان جاری رہا۔ ان کے اچانک وصال سے آج علم و فن کی کائنات ان تمام تر شوکتوں سے محروم ہو گئی۔

"ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے"

خاص کر رضویات اور مسلک امام احمد رضا کے حوالے سے ان کی تصنیفی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انھوں نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ہماری جماعت میں اس طرز پر لکھنے والے افراد ہند و پاک میں کم نظر آتے ہیں۔ "امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں"۔ "امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات"۔ "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت"۔ "کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ"۔ "مجاہدین جنگ آزادی"۔ "معارف قرآن" اور "المدیح النبوی" جیسی ان کی معیاری اور علمی تصنیفات ایوان علم و ادب میں گراں قدر اضافہ کہی جا سکتی ہیں۔ ان کی شخصیت علمی و ادبی جہات سے پوری جماعت اہل سنت کے لیے فقید المثال تھی۔ نظم و نثر دونوں اصناف سخن پر انھیں کمال درجہ عبور حاصل تھا۔ ان کے علمی کارناموں اور تحریری شہ پاروں سے دانش حاضر کے بام و در بہت دیر تک روشن و تابناک رہیں گے۔ خصوصی طور پر عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب پر انھیں بے پناہ دسترس حاصل تھی، اور اس حوالے سے وہ اپنے معاصرین میں بے حد ممتاز تھے۔ ان کی قلمی و تحریری خدمات اور ایوان علم و عمل کی تشکیل میں فلسفۂ حیات سے لے کر مقصود فن تک بہت سارے عوامل کار فرما ہیں۔ یہ ان کی تحریروں میں مضامین کا انتخاب، افکار و خیالات کی سنجیدگی، عصری مسائل پر گہری نظر، فنی محاسن کی ہمہ گیریت اور تنوع قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ رب قدیر نے انھیں متاعِ لوح و قلم کے ساتھ ساتھ خود شعوری کے احساسات سے بھی نوازا تھا۔ علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی "اپنے میں ڈوب کر سراغِ زندگی" پا جانے والے ارباب فقر و غیور میں تھے۔ ان کی سراپا زندگی حد درجہ متحرک، علم آشنا، فکر انگیز اور انقلابی تحریکات سے آباد تھی، وہ دعوت و عزیمت کے حامل ایک پر عزم انسان تھے۔ انھیں جہاد زندگانی میں "راز حیات" کا ادراک تھا۔ تضیع اوقات ان کے نزدیک کسی علمی معصیت سے کم نہ تھی۔ وہ ایک طویل عرصے تک ماہنامہ کنز الایمان دہلی کی ادارت سے وابستہ رہے، ان کی مذہبی صحافت اور عصری مسائل پر ان کی دقت نظر کا عظیم شاہکار "نقوش فکر" کتابی شکل میں منظر عام پر آ چکا ہے۔ جو دینی، ملی، قومی، سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بلا شبہ وہ قدیم نصاب تعلیم کے پروردہ تھے، تاہم انھوں نے اپنی انتہا درجہ محنتوں، شب بیداریوں، اور وسعت مطالعہ کے ذریعہ عملی درس گاہوں کے طلبا و مدرسی کے لیے اسلامی تعلیمات و اقدار کی مختلف جہتوں کو بھی اپنے دامنِ قرطاس و قلم میں محفوظ کر لیا ہے۔

علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی کے فن اور شخصیت کو مختلف حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عہدِ حاضر کے قلم کار اور طلبا ان کی تحریری مہارت، ان کی تنقید نگاری اور فکری انعکاس کی حنا بندیوں کو در خور اعتنا ضرور سمجھیں گے۔

ان کی پوری زندگی متاعِ لوح و قلم سے مربوط رہی، اور وہ مسلسل لکھتے رہے۔ ان کی فنی نشو و نما میں ان کی اپنی دقت طرازی کا بے حد دخل تھا۔ ان کی ذہنی تحریک، ان کا تہذیبی و ثقافتی رنگ، آہنگ، اور ان کی روحانی تربیت وسیع و عریض جہتوں پر محیط تھا۔ وہ درس گاہ حافظ ملت کے عظیم خوشہ چیں اور عربی و فارسی کے ممتاز فاضل تھے۔ انھیں بلا شبہ یہ حق حاصل تھا کہ علم و فن کی دنیا میں سیرت نگاری، بین الاقوامی مسائل پر تجزیہ کاری، تنقیحِ مسائل، نقد و نظر اور اسلامیات کا بڑا ماہر تسلیم کیا جائے۔

علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی نور اللہ مرقدہ ہماری جماعت کی ان قد آور شخصیات میں تھے جنھیں ہند و بیرون کی دینی کانفرنسوں میں مدعو کیا جاتا تھا۔ 1995ء میں جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ۔ لیبیا طرابلس میں انعقاد پذیر کانفرنس میں وہ حضور مفکر اسلام خطیب اعظم علامہ قمر الزماں اعظمی مدظلہ العالی سیکرٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کی معیت میں ایک مندوب کی حیثیت سے شریک رہے۔ شاہ بانو کیس میں

عدالت عالیہ کے غلط فیصلے کے بعد اس کے ردِ عمل کے نتیجے میں 1983ء تا1986ء مسلم پرسنل لاء کے حوالے سے پورے ملک میں ”تحفظ شریعت کانفرنس“ کی دھوم مچی تھی۔ان کانفرنسوں میں مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی، قائد اہل سنت شہنشاہ قلم حضرت علامہ ارشد القادری، مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی۔ اور مولانا عبید اللہ خان اعظمی کے ولولہ انگیز خطابات کے ساتھ ساتھ علامہ یٰس اختر مصباحی کا قلمی جہاد اور سنجیدہ خطابت نے بھی حکومت ہند کو اپنے دیے گئے فیصلے پر نظر ثانی کے لیے مجبور کر دیا تھا۔پھر ایک دور ایسا بھی آیا کہ اسلامیان ہند کے ملی، مسلکی، اور قومی مسائل کے حوالے سے انعقاد پذیر ہر بڑی کانفرنس میں ان کی شرکت ہونے لگی۔ ان کی آواز دلوں میں ایمان کی تڑپ، زبان کو درس حق گویائی اور باطل قوتوں کے مد مقابل جذبۂ حریت کو جلا بخشتی تھی۔ وہ احساس کمتری کو احساس برتری میں بدلنے کا ہنر جانتے تھے۔

انھوں نے ”حجاز جدید دہلی“ اور ماہنامہ ”کنز الایمان دہلی“ میں لکھے گئے اپنے اداریوں سے مسلمانان ہند کو ذہنی، فکری، علمی اور سیاسی طور پر بیدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور زندگی کے آخری لمحے تک ارباب دعوت و عزیمت کو خواب غفلت سے جگانے کا فریضہ انجام کے دیتے رہے۔ شہنشاہ قلم رئیس التحاریر حضرت علامہ ارشد القادری کے بعد ان کا جدید اسلوب نگارش نہایت ہی موثر اور فکر انگیز تھا جو قاری کے ذہن و دماغ کو فہم دین کے لیے بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

دریا متلاطم ہوں تری موج گہر سے
شرمندہ ہو فطرت ترے اعجاز ہنر سے

علامہ یٰس اختر مصباحی ایک عالی دماغ، باوقار، پاکیزہ فکر و عمل اور نہایت ہی وسیع المطالعہ شخصیت کے حامل تھے۔ان کے رشحات قلم کی سحر آفرینی قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔بیان کی شوخی اظہار کا بانکپن، معاملات عشق کی حنابندی اور تخیلات کی بلند پروازیوں کے باوجود بھی زمینی قدروں سے ان کی فکری آگہی کا رشتہ نہیں ٹوٹتا تھا سے ان کے انداز نگارش سے ”جلوۂ یوسف گمگشتہ“ کی تپش محسوس ہوتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ کوثر و تسنیم کے ڈھلے ہوئے لب و لہجے میں آپ کی تصنیف لطیف ”المدیح النبوی“ دیکھ کر عربائے عرب کا شائبہ گزرتا ہے۔ کہیں سے بھی آپ کی عجمیت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔مسلک امام احمد رضا کی ترویج و اشاعت میں ان کی صحرا نوردی اور جنوں خیزی کو اہل سنت و جماعت کے قدر شناس ارباب حل و عقد ہر گز فراموش نہیں کر سکتے۔ان کی تمام تر تصنیفات کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ اپنے قاری کو قرآن و سنت اور ائمۂ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں افراد، اشخاص، نظریات، رجحانات اور روایات کو پرکھنے کا تنقیدی شعور عطا کرتے ہیں۔انھوں نے اصول و کلیات کی تشریح و تعبیر میں کسی بھی مداہنت اور چشم پوشی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ناخن گرہ کشا کی منت پذیری اور ظاہری مشاغل سے بے نیاز ہر لمحہ ایک نئے آفاق کی تلاش میں رہتے ہیں۔

علامہ یٰس اختر مصباحی عہد جدید میں ہزاروں نوجوان علما اور ارباب علم و دانش کے نقیب اعظم تھے۔انھوں نے امت مسلمہ کی اجتماعی بیداری اور مسلک اہل و سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کی راہوں میں ایک فکر انگیز اور تعمیری رنگ و آہنگ سے مرقع ایک عظیم صاحب قلم کا فریضہ انجام دیا ہے، جسے ارباب وفا کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔علم و فن کے ایوان میں ان کی صدائے بازگشت بہت دیر تک باقی رہے گی۔ ان کا دل مذہب و مسلک کے حوالے سے حد درجہ پر خلوص اور حساس تھا، یہی وجہ تھی کے وہ مسلک اہل سنت کے موجودہ انتشار کے نتیجے میں دل گیر اور کبیدہ خاطر تھے۔معقولیت پسندی، جامعیت، وضاحت اور صراحت ان کی تمام تحریروں کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ان کی نگارشات میں پیچیدگی اور ابہام کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ ان کی ہر تصنیف اپنے پورے ربط و ضبط کے ساتھ کسی زندہ مسئلے اور اہم علمی واقعے سے بحث کرتی ہے۔ان کی ہر کتاب میں رہنمائی، ماخذ و مراجع، مثبت تنقید اور باضابطہ تعمیری لوازمہ موجود ہے۔ان کے وسیع و عمیق مطالعے اور تجزیہ نگاری نے عصر حاضر کے ارباب قلم کو ایک نئی شاہراہ حیات سے آگاہی بخشی ہے۔ان کی تعمیری خصوصیات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انھوں نے اپنے موقف کی بنیاد موروثی توہمات و تخیلات کے بجائے مشاہدات و تجربات پر رکھی ہے۔

علوم و معارف کے جواہرات سے آراستہ اس طرح کی جامع الصفات شخصیات آفاق کی وسعتوں میں کبھی کبھی اور کہیں کہیں پیدا ہوتی ہیں، ایسا عالم، عارف، شارح، محشی، عاشق رسول، علوم شریعت کا بے باک ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خوان صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔اور شاید پھر صدیوں کے بعد پیدا ہو۔سینکڑوں صفحات پر پھیلے

ہوئے ان کے قلمی مسودات تاہنوز زیور طبع سے آراستہ ہونے کے منتظر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملت کے ارباب فقر و غیور اور علم دوست افراد اس جانب خصوصی توجہ فرمائیں گے۔ ساتھ ہی اہم اور منفرد موضوعات پر تقریباً دو درجن سے زائد تصنیفات آپ کی یادگار میں رہتی دنیا تک آپ کے ایوان علم و عمل کو باقی رکھنے کے لیے کافی ہیں۔

علامہ لیٰسین اختر مصباحی جماعت اہل سنت کے ایک سنجیدہ مزاج، حلیم الطبع اور متبحر عالم دین تصور کیے جاتے تھے۔ آپ سواد اعظم اہل سنت و جماعت میں باہمی اتفاق و اتحاد کے پر جوش داعیوں میں تھے اور اس کے لیے وہ اپنی مصروف کن زندگی کے آخری لمحے تک کوشاں رہے۔ وہ نہ صرف ایک پختہ عزم و ارادت کے مالک صاحب قلم تھے، بلکہ مذہبی صحافت اور نثر نگاری کی ایک نئی جہت کے تعین کے موجد بھی تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کے علما و مشائخ کے مابین وہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، اور ہر طبقے میں انھیں عام مقبولیت حاصل تھی۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے فراغت کے بعد 1974ء تا 1982ء وہیں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ اس درمیان سیکڑوں طلبا نے آپ کی درس گاہ فیض سے استفادہ کیا۔ آپ کچھ عرصہ حجاز مقدس میں بھی رہے، پھر وطن عزیز ہندوستان لوٹ کر راجدھانی دہلی کو اپنی تحریکی، تنظیمی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ دار القلم کی بنیاد رکھی پھر وہیں پوری زندگی دعوت و ارشاد، خدمت دین اور قوم و ملت کی تعمیر و ترقی میں گزار دی 1984ء تا 1992ء کئی سال تک آپ نے دہلی سے ماہنامہ حجاز نکالا۔ ماہنامہ حجاز لندن، جو مفکر اسلام علامہ قمر الزمان اعظمی صاحب قبلہ مد ظلہ العالی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا اس کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری آپ پر تھی۔ تقریباً 7 سال تک ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کی ادارت فرمائی۔ ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک بالخصوص پاکستان، لیبیا، اور ساؤتھ افریقہ کی متعدّد عالمی کانفرنسوں میں آپ شریک رہے۔ تاہم وہ اپنی تحریکی و قلمی جد و جہد کی طویل مدت میں جن حوادثات زمانہ کے مد مقابل جس صبر و تحمل اور نا قابل تسخیر دعوت و عزیمت کے ساتھ عشق رسالت کا چراغ جلایا ہے، اس لیے وہ پورے عالم اسلام سے مبارکبادیوں کے مستحق رہیں گے۔

علامہ لیٰسین اختر مصباحی نے اپنی دعوتی زندگی کے آغاز سے ہی مسلک امام احمد رضا اور اشاعت دین و سنت کی ایک عظیم الشان تحریک کو اپنی زندگی کا حقیقی مقصد بنایا تھا جس سے مسلمانان ہند میں جہالت و گمرہی کے اندھیرے شعور زندہ کی روشنیوں میں قیامت کی صبح تک تبدیل ہوتے رہیں گے اور ان کی یہ دینی، روحانی، تحریکی اور علمی خدمات تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔

افسوس! کہ ملت اسلامیہ کے اضطراب میں دھڑکنے والا دل ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ درس گاہ حضور حافظ ملت کی آبرو ہم سے اچانک رخصت ہو گئی۔ قوم و ملت کا یہ غم خوار، عالم ربانی اب عرش الٰہی کے سائے میں محوِ خواب ہے۔ قبول و مغفرت کے پھول اور ملکوتی فرشتوں کی ہزار ہا رحمتیں ان کے وجود پاک پر برسائی جا رہی ہوں گی۔ دعا ہے کہ رب قدیر ان کی مغفرت اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ان کے اہل خانہ، تلامذہ اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی

پیغام تعــزیت

از: محمد یعقوب صدیقی نقش بندی، سربراہِ اعلیٰ جامعہ فیض الرحمٰن، جوناگڑھ

اہلِ سنت و جماعت کے عالمی شہرت یافتہ مصنف وادیب عظیم محقق و ناقد، تاریخ داں، اسلامک اسکالر، سیاسی مدبر دنبض شناس صائب الرائے شخصیت، متبحر عالم دین، رئیس التحریر حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ (بانی دار القلم نئی دہلی کی وفات ملت اسلامیہ کے لیے فرمان رسالت: "موت العالم مصيبة لا تجبر، وثلمة لا تسد" کے مطابق عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔

علامہ مصباحی رحمۃ اللہ علیہ متعدّد اوصاف و کمالات سے متصف تھے۔ آپ علیہ الرحمہ نے مسلک اہل سنت کے دفاع اور امت مسلمہ کی رہنمائی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

دعا ہے کہ رب کریم رؤوف رحیم حضرت کے تمام خدمات دینیہ کو قبول فرمائے اور انھیں غریق رحمت فرماکر اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ بندۂ عاجز و عاصی جامعہ فیض الرحمٰن جوناگڑھ، گجرات کے اساتذہ، طلبہ، اراکین اور جملہ اسٹاف کی جانب سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پس ماندگان، لواحقین، معتقدین و متوسلین کی خدمت میں کلمات تعزیت پیش کرتا ہوں۔ لا بقاہ الا اللہ الواحد القهار، لله ما أخذ وله ما أعطى و كل شيء عنده بأجل مسمى.

شریک غم- محمد یعقوب صدیقی نقش بندی

علامہ یاسین اختر مصباحی بلند پایہ مصنف اور مفکر و دانشور تھے

از: محمد عرفان قادری- مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ

انسان کے اوصاف میں سب سے اہم وصف علم ہے۔ علم کی اہمیت نسبت سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر برتری علم کی بنیاد پر عطا کی گئی۔ جو انسان علم کے زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے وہ اپنی پہچان خود بنا لیتا ہے۔ دور حاضر میں اس کی مثال رئیس التحریر علامہ یاسین اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو 7 مئی 2023 کی شب اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ان خیالات کا اظہار مولانا محفوظ الرحمن نوری مصباحی سابق پرنسپل جامعہ اہل سنت امداد العلوم مٹھنا بلرام پور نے مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ میں نئے تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر منعقد دعائیہ تقریب کو خطاب کرتے ہوئے کیا۔

انہوں نے کہا کہ علامہ یاسین اختر مصباحی عظیم عالم دین، بلند پایہ مصنف اور مفکر و دانش ور تھے۔ صحافت میں ان کا مقام بہت اونچا تھا۔ وہ سنگین مسائل پر قلم برداشتہ لکھتے تھے اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی کرتے تھے۔ علامہ نے درجنوں کتابیں تصنیف کیں۔ اردو کے علاوہ عربی زبان و ادب پر بھی انہیں عبور حاصل تھا۔ ان کی عربی تصنیف "المدیح النبوی" مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ ان کے انتقال سے جماعت اہل سنت میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ رب العزت ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

مولانا محفوظ الرحمن نوری نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ کامیابی کے لیے دو چیزیں شرط ہیں۔ محنت اور وقت کی پابندی۔ آپ ان دو باتوں کو ہمیشہ یاد رکھیں تو ضرور کامیاب ہوں گے۔

مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن کے صدر المدرسین قاری ذاکر علی قادری نے کہا کہ علامہ یاسین اختر مصباحی نور اللہ مرقدہ کا خاکسار سے دیرینہ تعلقات تھے۔ میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ صرف ایک عالم ہی نہیں عظیم مفکر بھی تھے۔ وہ جو منصوبہ بناتے تھے۔ جماعتی سطح پر اسے پایۂ تکمیل کو بھی پہنچاتے تھے۔ تصنیف و تالیف اور صحافتی میدان میں علامہ مرحوم نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تصنیفات سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں جن سے موجودہ اور آنے والی نسلیں استفادہ کرتی رہیں گی اور اسلامی تاریخ کے صفحات پر علامہ کا نام ہمیشہ روشن رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی و ملی خدمات کو قبول فرما کر بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل با جر جزیل عطا فرمائے۔

صلاۃ و سلام اور قل شریف کے بعد علامہ مرحوم کو ایصال ثواب اور مغفرت کی دعا کی گئی۔

اس موقع پر قاری نور محمد اشرفی، مولانا محمد عظیم ازہری، قاری محمد ایوب اشرفی، قاری محمد ظفیر رضوی، مولانا محمد فہیم مصباحی، مولانا عبد القیوم مصباحی، قاری تبریز عالم قادری، قاری محمد احمد ضیائی کے علاوہ دیگر اساتذہ و طلبہ موجود تھے۔

فکر و فن کا آفتاب غروب ہو گیا

از: مولانا محمد عبد المبین نعمانی- دار العلوم قادریہ چریا کوٹ، مئو

یعنی رئیس التحریر حضرت علامہ لیس اختر مصباحی رکن شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، بانی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور، بانی دار القلم دہلی، اب اس دنیا میں نہ رہے۔

مؤرخہ 7 مئی 2023ء، شب دوشنبہ، 17 شوال المکرم

1444ھ 9 بج کر 50 منٹ پر دہلی میں اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کر گئے، پھر میت خالص پور، ادری مئو آبائی وطن لائی گئی اور وہیں دوسرے دن بعد مغرب سپرد لحد کیے گئے۔

مولانا لیس اختر مصباحی علیہ الرحمہ نے کچھ عرصہ دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں تقریباً سات سال تک شیخ الادب رہے، پھر سعودی عرب میں چند سال گزار کر ہندوستان آئے اور دہلی کی سرزمین کو اپنا مستقر بنایا، ذاکر نگر اوکھلا نئی دہلی میں دار القلم قائم کیا، جس سے متصل قادری جامع مسجد بھی ہے۔

وہاں دار القلم کی عمارت میں ایک شاندار لائبریری بھی قائم کی اور ایک عرصے تک اپنی قلمی خدمات سے قوم وملت کو نوازتے رہے، "حجاز جدید" کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا، جو چند سالوں کے بعد بند ہو گیا، پھر ماہنامہ "کنز الایمان" سے وابستہ رہے، اس کے مدیر اعلیٰ بھی رہے، اور پھر اسے چھوڑنے کے بعد اس کے مشیر اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتے رہے، کئی درجن کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں یہ کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

* المدیح النبوی (عربی) * امام احمد رضا، ارباب علم ودانش کی نظر میں * امام احمد رضا اور ردبدعات ومنکرات * ترجمہ الفوز الکبیر * خاک حجاز کے نگہبان * کنزالایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ * سواد اعظم * تعارف اہل سنت * گنبد خضرا اور انہدام کی سازش * امام احمد رضا کی فقہی بصیرت * امام احمد رضا اور مفتی اعظم * مجاہد ملت کی مجاہدانہ عزیمت * نقوش فکر (اداریوں کا مجموعہ) * مجاہدین جنگ آزادی * پیغام عمل * معارف قرآن * علمائے اہل سنت کی قیادت و بصیرت، وغیرہ۔

یہ اور بہت ساری کتابیں آپ کے راہوار علم کی یادگار ہیں، عربی اور اردو دونوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے، ملک کی بڑی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں اعزاز سے مدعو کیے جاتے تھے، بلکہ بیرون ملک بھی آپ کو یاد کیا جاتا۔ آپ کے مقالات کی اچھی خاصی تعداد ہے جنھیں کئی جلدوں میں یکجا کیا جا سکتا ہے۔

علمائے اہل سنت میں آپ کی شخصیت قائدانہ حیثیت کی مالک تھی، آپ کی دینی، تدریسی اور قلمی خدمات کا دائرہ نصف صدی کو محیط ہے، جرأت وبے باکی میں ممتاز تھے، استاذ العلما حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی ثم مبارک پوری، علامہ قاضی محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ کے ممتاز تلامذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ 1970ء میں الجامعۃ الاشرفیہ سے فارغ ہوئے، آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔

علامہ لیس اختر مصباحی کیا گئے، فکر وقلم اور علم ودانش کا قطب مینار زمین بوس ہو گیا، میدان طریقت میں روحانیت کے تاجدار، شہزادہ اعلیٰ حضرت، سرکار مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی قدس سرہ کے دست اقدس پر شرف بیعت سے مستفیض تھے۔

آپ کے اس دنیائے فانی سے چلے جانے سے جماعت اہل سنت کا بہت بڑا خسارہ ہو گیا، اور خاص طور سے المجمع الاسلامی کا ایک ستون گر گیا، دار القلم دہلی میں تو بالکل سناٹا چھا گیا، الجامعۃ الاشرفیہ سوگوار ہے اور خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف غم زدہ۔

آپ کیا گئے، فقیر نعمانی کا مخلص رفیق چلا گیا۔ جماعتی درد کا امین رخصت ہو گیا۔ فکر وفن، علم ودانش کا نقیب نہ رہا۔ ان کی حیات کا سلسلہ ٹوٹ گیا تو تصنیف و تالیف کے لیے رواں دواں قلم بھی نذر جمود ہو گیا۔ احباب غم زدہ ہیں۔ تلامذہ الم کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ گھر والوں پر کیا گزری ہوگی اس کا تو اندازہ لگانا ہی مشکل ہے، میں جملہ اہل خانہ و فرزندان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور تسلی کے لیے دعا گو اور خود بھی سوگوار میں شامل ہوں اور گہرے رنج وغم میں گرفتار۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی ایک عظیم اسلامی مفکر

از: مفتی محمد علی مصباحی۔ جنرل سکریٹری جماعت اہل سنت، کرناٹک

حضرت علامہ موصوف نور اللہ مرقدہ بلاشبہ ایک عظیم اسلامی اسکالر وملی مفکر ودانشور تھے۔

آپ نہ صرف اردو نثر ونظم پر مہارت تامہ رکھتے تھے بلکہ عربی نثر ونظم پر بھی بصیرت کاملہ وقدرت تامہ رکھتے تھے۔ مختلف اسلامی وتاریخی اور قومی وملی موضوعات ومسائل پر آپ نے کم وبیش 0 5 سے زیادہ تحقیقی کتابیں لکھیں ہیں اور برادرانِ اہلسنت واسلامیان

ہند میں دینی وملی شعور وبیداری لانے کی خاطر ہر ایشیو پر سینکڑوں مقالات تحریر فرمائے ہیں۔ کبھی آپ نے دہلی سے ماہنامہ حجاز جاری فرمایا تھا، جس میں راقم الحروف کے بھی کئی مضامین شائع ہو چکے ہیں، جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے سن 1978 سے 1982 کے دوران علامہ افتخار اعظمی دام فضلہ اور علامہ یٰسین اختر مصباحی نور اللہ مرقدہ ایک ساتھ دارالعلوم اشرفیہ میں بحیثیت عربی استاذ کے منصب تدریس پر فائز ہوئے۔ الحمد للہ مجھے ان دونوں عظیم شخصیتوں سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ طبیعت میں خاموشی، فکرو نظر میں گہرائی وگیرائی اور غیر ضروری باتوں اور کاموں سے ہمیشہ دور ونفور اور ہر دم کتب بینی وعربی لغات خوانی آپ کا مشغلہ رہا۔ سچ ہے

نگہ بلند، سخن دل نواز جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

بعد تدریس کے اشرفیہ کے دفتر میں تشریف لاتے تو اُن ایام کی بات ہے کہ اردو کا ایک معروف اخبار سیاست کانپور دفتر اشرفیہ میں آیا کرتا تھا جس کو سارے اساتذہ خصوصاً علامہ موصوف پڑھا کرتے تھے۔ چائے پیتے تھے، سگار کا شوق تھا اور کبھی کبھار بے تکلف ہو جاتے تو کھل کر ہنستے تھے۔ افسوس کہ ایسی نایاب ہستی اب ہم میں نہ رہی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بخاری ومسلم میں ہے اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَاخَلَا اللهَ بَاطِلٌ یعنی اللہ کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں سے سب کو جانا ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کے ملفوظات میں ایک نصیحت ہے جس کا خلاصہ یہ کہ حیات وکائنات دونوں عارضی ہیں اور بے حقیقت ہیں۔ ایک روز آپ اپنے مریدین سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے: دنیا ڈھول کا پول ہے۔ (کہتے ہیں کہ) ایک روز چاشت کے وقت حضرت خواجہ صاحب کے ہمسائے کے گھر ڈھول بج رہا تھا حضرت نے فرمایا دیکھو ڈھول کی کتنی ہیبت ناک آواز ہے۔ ڈھول دور سے دیکھنے میں عجیب ہیبت ناک حیوان معلوم ہوتا ہے مگر قریب آکر دیکھو تو سوائے لکڑی اور چمڑے کی کچھ نظر نہیں آتا۔ ڈھول کے ٹکڑے کر دو تو اندر سے خالی ہی خالی نظر آئے گا۔ یہی مثال دنیا کی ہے جو لوگ دنیا کی حقیقت سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیا ڈھول کا پول ہے اور کچھ نہیں۔ (روح تصوف ص69)

مگر دنیا کی زندگی اور آخرت میں وہی کامیاب ہے جس نے زندگی کا مقصد سمجھا اور اسے صحیح کاموں میں لگایا ارشاد خداوندی ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ اَوْاُنْثٰى وَهُوَمُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل16 آیت97)

ترجمہ! جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائیں گے۔

بے شک ہمارے ممدوح مکرم نے ایک بامقصد زندگی گزاری عالمانہ کردار ادا کیا اور ہم چھوٹوں کے لئے ایک روشن مثال بن کر دنیا سے تشریف لے گئے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب پاک ﷺ کے صدقے ان کے مرقد پر انوار ورحمت کی بارش فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

علامہ یٰس اختر مصباحی: میدان صحافت کے عظیم شہسوار

از: افتخار احمد قادری، کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت

رئیس التحریر، ناز اہلسنت، پیکر علوم وفنون، محقق دوراں، زینت ایوان فکر وقلم حضرت علامہ یٰس اختر مصباحی صاحب قبلہ کی شخصیت ایک در نایاب کی حیثیت رکھتی ہے- رئیس التحریر چمنستانِ اسلام کی ایک ایسی کلی تھے جس پر موسم خزاں نے کبھی بھی اپنا اثر نہیں ڈالا- سوادِ اعظم اہل سنت کے ایسے معطر پھول تھے جو ہر ماحول میں مہکتے رہے- زمانہ کی باد مخالف اور نامساعد حالات نے ان کی نرم ونازک پتیوں کو مرجھانے کی تمام تر کوششیں کیں لیکن یہ پتیاں ان کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود خدمتِ خلق اور مسلک ومذہب کی بے لوث اشاعت کی وجہ سے ترو تازہ اور ہری بھری رہیں اور آسمان صحافت پہ ماہتاب بن کر زمانے کی اصلاح اور مسلک کا پرچار کرتے رہے- یہ آسمان صحافت کا ماہتاب کسی بھی دور میں گہن آلود نہیں ہوا اور نہ اس کی مقبولیت میں ہلکی سی کمی آئی بلکہ ہر دور میں صف اول کے صحافی ومبلغ اور مفکر اسلام کی حیثیت سے پہچانے جاتے رہے اور میدان صحافت کے عظیم شہسوار بن کر سالوں خاص کر (ماہنامہ کنزالایمان دہلی) اور جریدوں کی آبرو بن کر چھپتے رہے گویا آج محل صحافت ایوان سنیت مینارہ اسلام کا ایک عظیم ستون گر گیا جس کی کمی کا احساس ملت کو

صدیوں کرنا پڑے گا- یہ لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے کہ 07/ مئی کو سوادِ اعظم اہل سنت کا صحافی و مبلغ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا-

انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت علامہ یس اختر مصباحی صاحب قبلہ کی ذات بے شمار خصوصیات کی مرجع تھی- صحافت درس وتدریس اخلاص ومحبت مسلک کی بے لوث خدمت ان کا بہترین مشغلہ تھا- آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جس میں: ہندوستانی مسلمان اور ہندوتوا، قائدین تحریکِ آزادی، مسلم پرسنل لا کا تحفظ، سنگھ پریوار کا 21 نکاتی فارمولہ، ہم اور ہمارا ہندوستان، معارفِ کنزالایمان، آفتاب و ماہتاب، بابری مسجد کی شہادت اور تعمیر نو، اصلاح فکر واعتقاد، قائد انقلاب علامہ فضلِ حق خیرآبادی، خصائصِ رسول، گنبدِ خضریٰ، قابلِ ذکر ہیں- دعا ہے: خدائے قدیر وکارساز ان کی قبر پر رحمت ونور کی برکھا برسائے اللہ رب العزت ان کی مرقد پر گوہر افشانی کرے۔

علامہ یٰسٓ اختر مصباحی: دو یادگار ملاقاتیں

از: محمد ولی اللہ قادری، گورنمنٹ انٹر کالج، ضلع اسکول، چھپرہ، بہار

معتمد حضور مفتی اعظم ہند اور استاذ الاساتذہ حضرت مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی سابق شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف اور سابق صدر مفتی رضوی دار الافتا بریلی شریف کے وصال کے غم سے ابھر نہیں پایا تھا کہ رئیس التحریر علامہ یاسین اختر مصباحی کے انتقال کی خبر موصول ہوئی اور غم مزید گہرا ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ رئیس التحریر علامہ یاسین اختر مصباحی کی شخصیت کثیر الجہات تھی آپ بہ یک وقت محقق، مترجم اور صاحب اسلوب صحافی اور نئی نسل کے قلم کاروں کے مربی بھی آپ تھے۔ آپ درجنوں کتاب کے مصنف و مرتب کے باوجود منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ آپ کے انتقال سے مذہبی و ادبی دنیا ایک بے لوث قلم کے سیاہی سے محروم ہوگئی ہے۔ حضرت کی تحریر جس طریقے سے سلجھی ہوئی ہوتی تھی اسی طرح تقریر اور انداز تخاطب بھی سلجھا ہوا ہوتا تھا۔ حساس سے حساس مسائل کو بہت ہی آسانی سے حل فرماتے تھے۔ علامہ کی زیارت پہلی دفعہ بریلی شریف میں عرس رضوی کے موقع پر ہوئی۔ اس کے بعد دو مرتبہ سے می نار میں ۔ یاد آتا ہے کہ نومبر 2011ء میں بہار شریف میں مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد منیری علیہ الرحمہ پر منعقدہ بین الاقوامی سہ روزہ سے می نار تھا۔ حضرت کی تشریف آوری دوسرے روز ہوئی۔ اس سے می نار میں جہاں اہل سنت کے موقر قلم کار علمائے کرام تشریف لائے تھے وہیں متعدّ د عصری دانش گاہوں کے پروفیسران اور ریسرچ اسکالرز بھی۔ سے می نار کے روح رواں پروفیسر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی سجادہ نشیں خانقاہ منعمیہ قمریہ، پٹنہ سیٹی جو ناظم اجلاس تھے، نے حضرت کا تعارف اس شان سے کرایا کہ مندوبین سے می نار حضرت کا خطاب سننے کے لیے سراپا منتظر ہو گئے۔ علامہ یاسین اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت باوقار طریقے سے خطاب فرمایا۔ موقع غنیمت جانتے ہوئے خدا بخش خاں اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ نے 26/ نومبر 2011ء کو مذکورہ لائبریری میں حضرت کا توسیعی خطبہ رکھ دیا۔ اس لیے حضرت بہار شریف سے عظیم آباد پٹنہ تشریف لائے اور ادارہ شرعیہ میں آپ قیام ہوا۔ ادارہ شرعیہ میں حضرت سے کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی حضرت نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے اپنی مصروفیت سے روشناس کرایا اور مستقبل کے منصوبہ سے واقف کرایا۔ حضرت نے دعائیں دیں اور مطالعہ اور کوشش جاری رکھنے کی تاکید فرمائی۔ اس دور میں پہلی جنگ آزادی 1857ء کے موضوع پر حضرت کی متعدّد کتابیں منظر عام پر آئی تھیں، اس لیے راقم نے اسی موضوع کو چھیڑ دیا ۔ حضرت دیر تک اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے رہے اس کے باوجود آپ نے یہ انکساری والا جملہ ارشاد فرمایا کہ ”تیس سال سے تحریک آزادی کے موضوع پر مطالعہ کر رہا ہوں اب تھوڑی تھوڑی بات سمجھ میں آ رہی ہے“۔ حضرت کا یہ جملہ عہد حاضر کے محققین کو بہت بڑا پیغام دے رہا ہے۔ خود حضرت کا ایک جملے نے میری زندگی میں بہت تبدیلی لا دیا۔ خیر وقت مقررہ پر حضرت خدا بخش لائبریری، پٹنہ پہنچ گئے۔ خطبہ کا عنوان تھا ”علامہ فضل حق خیر آبادی: ایک عہد ساز شخصیت “۔ تقریب کی صدارت پروفیسر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی سجادہ نشیں پٹنہ سیٹی نے کی اور خطبہ استقبالیہ پروفیسر امتیاز احمد ڈائرکٹر خدا بخش خان اورینٹل پبلک لائبریری پیش کیا۔ خدا بخش لائبریری کے دیگر توسیعی خطبات کے برعکس سامعین سے پورا سیمینار ہال پر تھا۔ خدا بخش کے دیگر خطبات سے علامہ یاسین اختر مصباحی کا خطبہ اس لحاظ سے الگ تھا کہ آپ نے لکھا ہو خطبہ پیش نہیں کیا ۔ مسلسل دو گھنٹے تک موضوع پر سلسلہ وار طریقے سے زبانی خطبہ پیش کرتے رہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور مرزا اسد اللہ خاں غالب کے مابین تعلقات پر یادگار غالب کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ

مرزا اسد اللہ خاں کو غالب بنانے میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا نمایاں حصہ ہے۔ یہاں تک کہ "دیوان غالب" کی تربیت واشاعت میں علامہ فضل حق خیر آبادی نے ناقابلِ انکار کردار ادا کیا۔ اس کے بعد 1857ء کی تحریک آزادی میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے قائدانہ کردار کو سال بہ سال ترتیب سے مدلل پیش کیا۔ جب علامہ یاسین اختر مصباحی خطبہ پیش فرمارہے تھے تو وہاں موجود پروفیسر امتیاز احمد، جن کی کتابیں بی پی ایس سی اور یو پی ایس سی کی تیاری کرنے والے امیدوار کے لیے مدد ومعاون ہوتی ہیں، ان کو بھی متاثر ہوتے ہوئے دیکھا گیا۔ اردو زبان وادب کا مستند محقق اور ناقد پروفیسر صفدر امام قادری نے تو ایک نجی گفتگو میں فرمایا کہ مولانا یاسین اختر مصباحی کی یادداشت غضب کی ہے کہ عربی فارسی کے ساتھ تاریخ پر یکساں قدرت رکھنے والی علمی شخصیت عہد حاضر میں خال خال نظر آتی ہے۔

حضرت رئیس التحریر علامہ یاسین اختر مصباحی سے دوسری بار جامعہ واجدیہ دربھنگہ میں امین شریعت ثالث ادارہ شرعیہ پٹنہ و مفتی اعظم ہالینڈ مفتی عبد الواجد نیر قادری علیہ الرحمہ پر منعقدہ قومی سے می نار کے موقع پر ہوئی۔ یہ سے می نار 2013ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس سے می نار میں فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی مدظلہ بھی تشریف فرما تھے۔ سے می نار کے روح رواں ڈاکٹر امجد رضا امجد تھے۔ امین شریعت کی شخصیت اور خدمات کے متعدّد گوشے پر مقالات پڑھے گئے۔ معروف صحافی احمد جاوید نے حضرت کے سفر نامہ نگاری کے حوالے سے کہا کہ حضرت عہد حاضر کے ابن بطوطہ نظر آتے ہیں۔ راقم الحروف نے امین شریعت کا مجموعہ فتاوی "فتاوی یورپ" کے حوالے سے پڑھا تھا۔ علامہ یاسین اختر مصباحی مجلس صدور میں شامل تھے۔ اس لیے مقالات پر تبصرہ کے لیے مدعو کیا گیا۔ حضرت نے مختصر وقت میں حضرت امین شریعت کی شخصیت کے ایک اہم گوشہ پر روشنی ڈالی، جس پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی تھی، وہ یہ کہ امین شریعت کے ہاتھ پر سیکڑوں کی تعداد میں غیر مسلموں کا ایمان لانا اور حضرت کے ذریعے ان کو کلمہ طیبہ پڑھایا جانا، بہت اہم بات ہے۔ حضرت کے خطبہ صدارت سے اندازہ ہو گیا کہ حضرت روایت کے بندھن میں بالکل جکڑے ہوئے نہیں ہیں کیوں کہ سے می نار میں دیکھا جاتا ہے صدر حضرات پڑھے گئے مقالات پر رسمی تبصرہ کر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں، لیکن حضرت رئیس التحریر نے جملہ مقالات کو غور سے سماعت فرمایا اور ان پر غور وفکر کرتے ہوئے صاحب سے می نار کی شخصیت اور خدمات کے گم شدہ گوشے کو اجاگر کیا جو ہمیں بڑی بات لگی۔

سیمینار کے اختتام پر حضرت رئیس التحریر سے ملاقات کی غرض سے ان کے قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ سونے پر سہاگہ کہ حضرت رئیس التحریر اور حضرت فقیہ النفس دونوں حضرات کا قیام کا نظم ایک ہی کمرے میں تھا دونوں بزرگوں کی گفتگو سے خوب محظوظ ہوا۔ ایک مسئلہ پر دونوں حضرات گفتگو فرمارہے تھے، وہ یہ کہ سے می نار یا دیگر تقریبات میں سلام مع قیام پڑھنا کیسا ہے؟ پوری گفتگو تو یاد نہیں البتہ حضرت رئیس التحریر نے اپنے مطالعے کے حوالے سے فرمایا کہ حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر سلام مع قیام کو میلاد النبی صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی محفل تک خاص لکھا ہے، اس لیے متذکرہ تقریبات میں سلام مع قیام سے بچنا چاہیے۔ حضرت رئیس التحریر کی اس رائے کی تائید حضرت فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی مدظلہ نے فرمائی۔ اس کے بعد طعام کا دور چلا۔ دونوں بزرگوں کے ساتھ خاک سار کو دوپہر کا کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوا۔

2018ء میں اجمیر شریف کی زیارت سے واپسی پر دہلی میں قیام کیا تو حضرت رئیس التحریر سے ملاقات کی خواہش ہوئی۔ مولانا محمد ظفر الدین برکاتی سے دریافت کیا کہ حضرت سے ملاقات ہو سکتی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ حضرت دار القلم میں ہی ہوں گے۔ لہذا مولانا سید اکرم نوری کے ہمراہ دار القلم پہنچا تو پتا چلا کہ حضرت موجود نہیں ہیں۔ بعدہٗ حضرت کی زیارت اخبارات یا سوشل میڈیا پر ہی ہو سکی۔ اب تو وہ وہاں تشریف لے گئے جہاں سے اب تک کوئی واپس نہیں آیا ہے۔ حضرت رئیس التحریر کی شخصیت اس لحاظ سے منفرد رہی کہ ان کی زیادہ تر کتابیں ان کی زندگی میں شائع ہو کر مقبول ہوئیں۔

اس مختصر تحریر کو راقم الحروف کا تعزیتی تاثر سمجھا جائے۔ اس مختصر تحریر کے ذریعے حضرت رئیس التحریر کے بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور دعا ہے کہ مولا تعالی ان کی خدمات کو قبول کر ان کو غریق رحمت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل ادا کریں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ اخیر میں حضرت رئیس التحریر کے ادارت مندوں اور ورثہ سے ہماری گزارش ہوگی کہ حضرت کی شخصیت اور خدمات کے حوالے سے ایک سے می نار منعقد کیا جائے اور ان کی تصنیفات و تالیفات کے مالہ وماعلیہ پر تفصیلی بحث ومباحثہ ہو، جس سے رئیس التحریر جیسی انقلابی شخصیت کی تفہیم نئی نسل کو ہو سکے۔ ہماری ناقص رائے کے مطابق یہی کام حضرت رئیس التحریر کی بارگاہ میں بہترین خراج عقیدت ہوگا۔ امید ہے کہ ہماری آواز صدا بہ صحرا نہ ہوگی۔

صدائے بازگشت

ماہ نامہ اشرفیہ میں شرکت کا مطلب بہت دور تک رسائی

محترم مدیر! سلام ورحمت۔

چند طرحی کلام حاضر بزم کر رہا ہوں۔ کبھی کسی شمارہ میں جگہ دے سکتے ہیں۔ کبھی کبھی آپ کے رسالہ کا پہلے دیدار ہو جاتا تھا تو کچھ رسالہ کے حوالہ سے لکھنے کا بھی موقع میسر ہو جاتا تھا۔ اب تو دید سے بھی محروم ہوں۔ پھر بھی بزم اشاعت میں شرکت کا شوق کلام ارسال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ آپ کے رسالہ میں شرکت کا مطلب بہت دور تک رسائی اور دانشوران سخن کے ساتھ باذوق قارئین سے شناسائی، اللہ رب العزت رسالہ کو اور اس کے منتظمین کو سلامت رکھے۔ آمین۔ سات کی دہائی پار کر چکا ہوں۔ صحت بھی پہلی جیسی نہیں رہی۔ شاعری کی لت ایسی ہے جسے لگ گئی چھوڑتی نہیں۔

دعائے خیر ایمان وصحت کا طالب

خیر اندیش—وصی واجدی مکرانی

ملنگوا، سرلاہی، نیپال

محترم............ سلام مسنون۔

یاد آوری کا شکریہ، نعتیں موصول ہوئیں، ان شاء اللہ حسب ضرورت شامل اشاعت ہوں گی۔ اپنے مکتوب کے آخر میں آپ کہتے ہیں: ”شاعری کی لت ایسی ہے جسے لگ گئی چھوڑتی نہیں۔“ نعت و غزل وغیرہ آپ جو بھی لکھتے ہیں وہ لت نہیں بلکہ سعادت ہے۔

امید کہ بخیر وعافیت ہوں گے۔ آپ کا

احقر—مبارک حسین مصباحی

شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساتھ آپ کے گرانقدر علمی تعاون پر ہم ممنون و مشکور ہیں

محترم جناب مبارک حسین مصباحی صاحب

مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔

اطلاعاً عرض ہے کہ آپ کا ارسال کردہ الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی وعلمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ کے دو شمارے جلد 47، شمارہ نمبر 291 جنوری و فروری 2023ء شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری کے لیے موصول ہوئے۔ آپ نے اس لائبریری کے لیے یہ رسالہ بھیج کر جس خیر خواہی کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں بہت شکر گزار ہوں۔ شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساتھ آپ کے اس گراں قدر علمی تعاون پر ہم آپ کے ممنون و مشکور ہیں اور درخواست گزار ہیں کہ از راہ کرم اس سلسلے کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھیں تاکہ شعبہ کے طلبا و دیگر حضرات آپ کے اس عطیہ سے علمی استفادہ کرتے رہیں اور آپ کے لیے صدقہ جاریہ کا سبب بنے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے اس علمی تعاون کو شرف قبولیت سے نوازے آمین۔ ہم نے بصمیم قلب آپ کے عطا کردہ دونوں شمارے شعبہ کے Newspapers & Journal Reading Area میں عوام و خواص کے استفادے کے لیے رکھ دیا ہے، سال کے اختتام پر محفوظ شکل میں مکمل سیٹ کی بائنڈنگ کرا کر ایکسیشن نمبرات کے ساتھ لائبریری کے ذخیرہ میں شامل کر لیا جائے گا جو آنے والی نسلوں کے کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس پر خلوص ہدیہ کو قبول فرمائے۔ آمین!

پروفیسر عبد الحمید فاضلی (ڈائریکٹر) 29/ مارچ 2023ء

امبیڈکر نگر میں ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کرنے کے پتے

(1)- محمد کلیم بک سیلر

پٹرول ٹنکی کے سامنے، حیات گنج، ٹانڈہ، ضلع امبیڈکر نگر (یوپی)

موبائل نمبر: 8576940543، 8542977075

(2)- قاری غیاث الدین و حافظ ظہیر احمد صاحب (ندائے حق جلال پور، ضلع امبیڈکر نگر۔ 979544727، 9598036964

(3)- دار العلوم نظامیہ عربیہ نظام الدین پور

کچھوچھہ شریف، ضلع امبیڈکر نگر۔ 9651470544

خیر و خبر

حدائق بخشش کا ترکی زبان میں ترجمہ اور اشاعت

آج امام احمد رضا کی جہان بھر میں مقبولیت صرف اور صرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر ہے۔ حال ہی میں سرزمین ترکی سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ مجموعہ ”حدائق بخشش“ کے ترکی زبان میں ترجمہ کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ واضح رہے کہ اب تک دو ایڈیشن شائع ہو کر ترکی کے دینی و علمی حلقوں میں مقبول ہو چکے ہیں۔ چوں کہ اعلیٰ حضرت کے کلام میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی شرعی حزم و احتیاط بھی مثالی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی نعتوں کو بڑی مقبولیت عطا کی۔

ڈاکٹر رجب درگن اور حافظ عامر علی نے حدائق بخشش کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ کیا۔ اعلیٰ حضرت کے کلام کی بلاغت و جامعیت سے ماہرین ادب خوب واقف ہیں، مترجمین نے تفہیم کلام رضا میں بڑی محنت و انہماک سے کام لیا، پھر ترکی میں منظوم ترجمہ کیا جو بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اول الذکر مترجم سلجوق یونیورسٹی ترکی میں اردو ڈپارٹمنٹ میں استاذ ہیں۔ ثانی الذکر مترجم سلجوق یونیورسٹی ترکی میں پی ایچ ڈی کے اسکالر ہیں۔

حدائق بخشش کا پہلا ترکی ایڈیشن جون 2016ء میں شائع ہوا۔ جب کہ حدائق بخشش کا دوسرا ترکی ایڈیشن 23 جون 2019ء کو منظر عام پر آیا ہے۔ ترکی سے یہ نسخہ 600 کی تعداد میں شائع ہوا۔ آخر الذکر ایڈیشن قونیہ اور استنبول میں دستیاب ہے۔ اس کے تقریباً 300 نسخے علماے ترکی، یونیورسٹیز کے پروفیسرز نیز لائبریریوں میں پیش کیے گئے۔ اسی طرح انقرہ، قونیہ، استنبول اور ازمیر کے علما میں یہ نسخے تقسیم کیے گئے۔

حدائق بخشش کا یہ ترجمہ مدینہ منورہ میں حضور امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی دام فیوضہ (سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف) کی خدمت میں بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ آپ نے اسے ملاحظہ کیا اور فرمایا:

حافظ عامر علی اور ڈاکٹر رجب درگن نے حدائق بخشش کا ترکی زبان میں شیریں ترجمہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزاے خیر عطا فرمائے اور ان سے مزید کام لے“۔

اُمید ہے کہ مستقبل میں بھی اس طرح کے علمی کام سرزمین ترکی سے انجام پذیر ہوں گے۔ اہل علم و صاحبانِ ذوق کے لیے اس کا ایک نسخہ ادارہ کی لائبریری میں موجود ہے۔

(بحوالہ: مجلہ امام احمد رضا کانفرنس 2020ء، ص:17)

البانیہ میں زمین سے نکلی لاش اور قرآن کو دیکھ کر پورا عیسائی گھرانہ مسلمان ہو گیا تھا

ملک میں انتشار اور جنگوں کے دوران یہ خاندان اس نایاب قرآن کی حفاظت نسل در نسل کرتا آرہا ہے

البانیہ میں پروشی نامی عیسائی خاندان کو دہائیوں قبل زمین سے ایک صحیح سالم لاش اور انتہائی چھوٹا قرآن ملا تھا جس کی وجہ سے پورا گھرانہ مسلمان ہو گیا تھا۔ ماضی میں رونما ہوئے ملک میں انتشار و جنگوں کے دوران یہ خاندان اس نایاب قرآن کی حفاظت نسل در نسل کرتا آرہا ہے۔

خاندان کے 45 سالہ فرد ماریو پروشی نے اپنے گھر پر اے ایف پی کو دیے گئے انٹرویو میں بتایا کہ میرے پر دادا کو سوو کے شہر جاکوویکا میں ایک نئے گھر کے لیے زمین کھود رہے تھے جب انہیں وہاں دفن ایک شخص کی بالکل محفوظ اور صحیح سالم حالت میں لاش ملی اور ایک انتہائی چھوٹا قرآن اس کے دل کی جگہ پر رکھا ہوا تھا۔ خاندان نے اس معجزے کو خدا کی طرف سے ایک غیبی اشارہ سمجھ کر اسلام قبول کیا۔

پروشی نے مزید بتایا کہ ان کے دادا جو 1930ء کی دہائی میں البانیہ کے بادشاہ زوگ کی فوج میں ایک افسر تھے، عربی جانتے تھے اور ہر رات دوستوں کو اس قرآن کی تلاوت کے لیے اپنے گھر بلاتے تھے۔ تاہم کچھ عرصے بعد اینور ہوجا کی کمیونسٹ حکمرانی میں تمام مذاہب پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی اور ان کے ماننے والوں کو قید کرنا شروع کر دیا گیا لیکن یہ قرآن بچ گیا کیوں کہ اسے آسانی سے چھپایا جا سکتا تھا۔ پروشی نے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ کسی نے خفیہ طور پر پولیس کو اطلاع دی تھی کہ ہمارے گھر میں قرآن موجود ہے لیکن یہ اتنا چھوٹا تھا کہ میرے والد سے چھپانے میں کامیاب ہو گئے۔

پولیس والوں نے پورا گھر تہس نہس کر دیا مگر قرآن کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے اور آج تک ہم اس قرآن کی حفاظت کا اہتمام نسل در نسل پوری لگن سے کرتے آرہے ہیں۔ ماریو پروشی کے لیے یہ قرآن کیا معنی رکھتا ہے

اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ روز قرآن کو بوسہ دینے سے پہلے اپنے ہاتھ اور منہ کو دھوتے ہیں اور بوسہ دینے کے بعد اُسے اپنی پیشانی سے لگاتے ہیں۔ صرف دوسینٹی کے قرآن کے بارے میں اسکالرز کا کہنا ہے کہ اس کی اشاعت 19 ویں صدی کے آخر تک کی گئی ہے اور اب تک کے ریکارڈ میں موجود دنیا کے سب سے چھوٹے ترین قرآن میں سے ایک ہے۔ پروشی نے مزید بتایا کہ ہمیں دنیا بھر سے کئی میوزیمز اور اداروں کی جانب سے اس قرآن کو لینے کے لیے بڑی بڑی آفرز کی گئیں لیکن ہم نے ساری آفر ٹھکرا دیں۔ ہم یہ قرآن کسی قیمت پر بھی نہیں دیں گے۔

(روزنامہ انقلاب 8 مئی 2023ء)

دنیا کی پہلی اسمارٹ جاے نماز

آپ نے اسمارٹ واچ، اسمارٹ ٹی وی اور اسمارٹ فون تو دیکھا ہی ہے لیکن اب پہلی بار مسلمانوں کے لیے اسمارٹ جاے نماز تیار کی گئی ہے۔ خلیج ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق دنیا کی پہلی اسمارٹ جاے نماز بنانے والے عبدالرحمٰن صالح خامس نے جنیوا میں منعقدہ 48ویں بین الاقوامی ایجادات کی نمائش میں سونے کا تمغہ بھی جیتا ہے۔ عبدالرحمٰن صالح کا تعلق قطر سے ہے، انھوں اس جاے نماز کو سجدہ کا نام دیا ہے جو نومسلم کو نماز سیکھنے اور اسے پڑھنے میں مدد فراہم کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہ جاے نماز جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ آراستہ ایک قالین ہے جس میں نماز پڑھنے کے طریقے کے علاوہ دیگر اسلامی عبادات کے بارے میں رہنمائی فراہم کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اسمارٹ جاے نماز کے موجد کی ویب سائٹ کے مطابق جاے نماز میں ایل ای ڈی اسکرین، اسپیکرز نصب ہے، جو نماز سیکھنے والوں کو انگریزی اور عربی زبانوں میں 25 سے زائد مختلف طریقوں سے نماز پڑھنا سکھائے گی۔ اسمارٹ جاے نماز کے ساتھ موبائل ایپلی کیشن کنکٹ کر کے نماز سیکھنے والے مسلمان مخصوص اسکرین پر قرآنی آیات پڑھ کر نماز سیکھ سکتے ہیں۔ یہ جائے نماز ان لوگوں کے لیے ہے جو بغیر کسی پریشانی کے صحیح طریقے سے نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھنا چاہتے ہیں۔ اسمارٹ جاے نماز کے استعمال کرنے سے اسکرین پر نماز پڑھنے کی تمام ترہدایات سامنے آجائیں گی جو شریعت کی روشنی میں نماز کا درس دے گی۔ اس اسمارٹ جاے نماز میں ایل ای ڈی اسکرین نصب ہے جو مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے دوران قرآن پاک پڑھنے اور حفظ کرنے میں مدد دے گی۔ اسمارٹ جاے نماز میں بہت سے آپشن ہیں، نمازی اسے اپنے مطابق کنٹرول کر سکتا ہے، قرآن پاک کی آیات کا سائز اور تلاوت کے انداز آپ اپنے مطابق بھی کنٹرول کر سکتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب 27 مئی 2023ء)

جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور میں جشن دستار فضیلت و عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان

28 فروری بروز منگل جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کا 57 واں سالانہ یک روزہ جلسہ دستار فضیلت و عرس حضور حافظ ملت کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی سرپرستی پیر طریقت شہزادۂ حضور حافظ ملت حضرت عزیز ملت علامہ الحاج الشاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ علینا اور صدارت جامع معقول و منقول خلیفۂ حضور عزیز ملت حضرت علامہ الحاج مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی زید مجدہ نے فرمائی۔ جب کہ نظامت کے فرائض حضرت مولانا اشتیاق احمد مصباحی خلیل آبادی نے انجام دیے۔ جلسہ کا آغاز استاذ القراء قاری اقرار احمد برکاتی صاحب استاذ جامعہ ہذا نے اپنی سحر آگیں آواز میں کلام ربانی کی تلاوت سے کیا۔ نعت و منقبت کے اشعار طلبۂ جامعہ ہذا نے پیش کیے۔ پہلا خطاب حضرت مولانا محمد علی نظامی سنت کبیر نگر کا ہوا۔ انھوں نے اپنی تقریر کے دوران علم دین مصطفیٰ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیمات پر بھرپور روشنی ڈالی۔ ناظم اجلاس نے نبیرۂ حضور حافظ ملت، نعیم ملت حضرت علامہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب قبلہ عزیزی کا تعارف پیش کرتے ہوئے آواز دی اور ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا حضرت نعیم ملت نے اپنے خطاب کے دوران سیرتِ رسول کے ایسے ایسے گلدستے رکھے جس سے سامعین کے مشام جاں معطر ہوگئے۔ مدارس و علما کی اہمیت کو بھی آشکارا فرمایا۔ گیارہ بجکر 55 منٹ پر کل شریف کا دور شروع ہوا جس میں قاری محمد مسلم انوار العلوم تلسی پور، قاری نور الدین اکونہ بازار، قاری فریاد حسین اور قاری اقرار احمد برکاتی وغیرہم نے حصہ لیا پھر حضور سربراہ اعلیٰ صاحب نے شجرہ خوانی کر کے ملک و ملت، مدارس و مساجد اور امن و امان کی دعا فرمائی۔

پرنسپل جامعہ ہذا حضرت علامہ مفتی الحاج محمد مسیح احمد قادری صاب نے نبیرۂ حضور حافظ ملت نصیر ملت حضرت علامہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب قبلہ استاذ ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اور جامعہ ہذا کے فرزند قدیم حضرت حافظ و قاری ذاکر علی صاحب بانی دارالعلوم حنفیہ ضیاء القرآن کا ایوارڈ کے تعلق سے تعارف کرایا۔ مولانا نور احمد قادری استاذ جامعہ ہذا نے نعیم ملت کے لیے سپاس نامہ پڑھ کر سنایا جب کہ مولانا محمد شمیم احمد قادری مصباحی استاذ جامعہ ہذا نے حضرت محب العلما حافظ و قاری ذاکر علی صاحب قادری کے لیے سپاس نامہ پڑھ کر سنایا۔ اور جامعہ ھذا کی طرف سے حضور عزیز ملت صاحب قبلہ کے مقدس ہاتھوں دونوں حضرات کو سپاس نامہ اور ایوارڈ سے نواز کر سرفراز کیا گیا۔ (باقی ص:38 پر)

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

MAY 2023

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459
www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہو گیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہل خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریباً گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہل خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G. (5) (VI). of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532
SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN